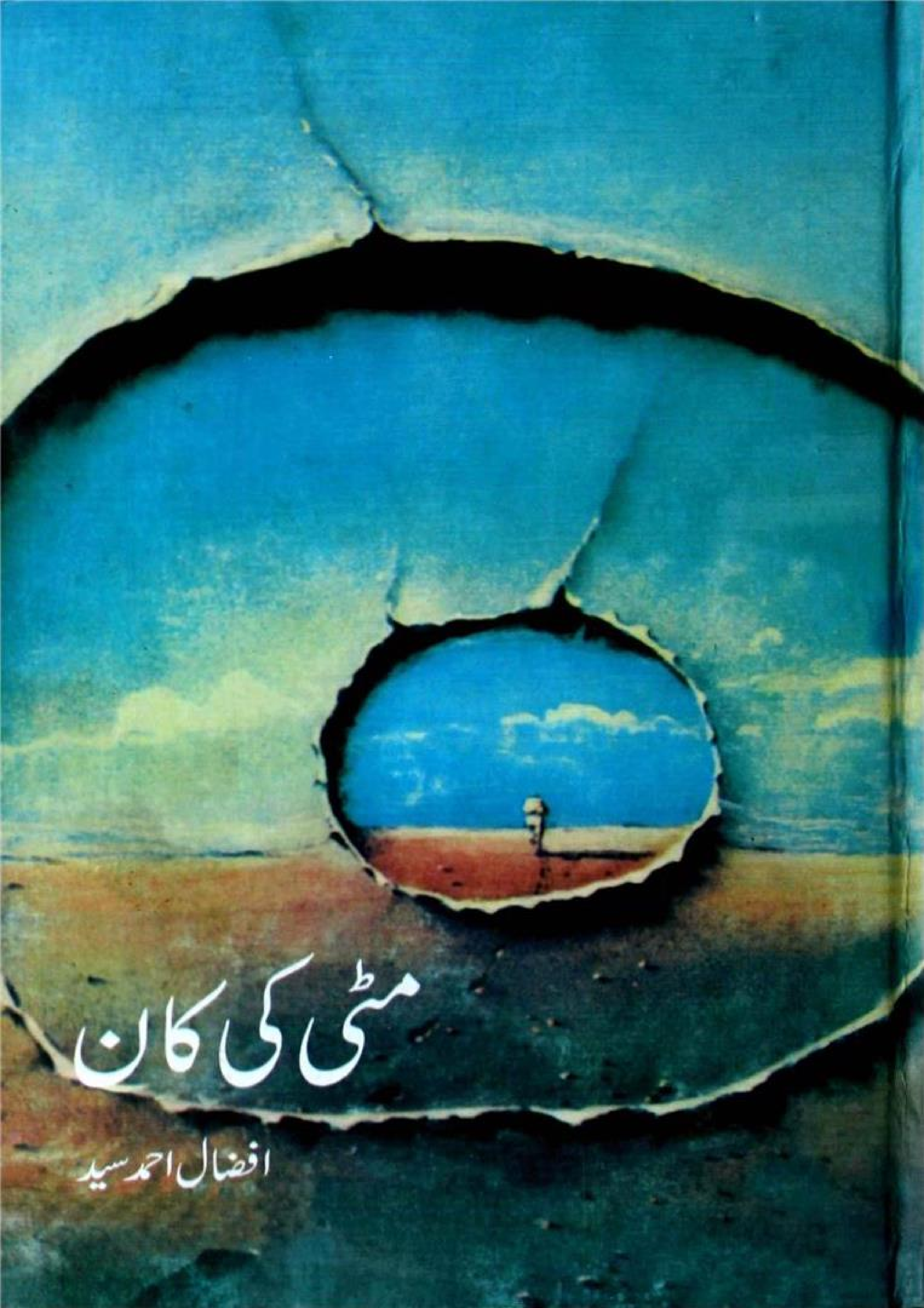
مٹی کی کان
افضال احمد سید

مٹی کی کان

(کلیات)

افضال احمد سید

آج کی کتابیں

تنویر انجم کے لیے

مٹی کی کان

افضال احمد سیّد

پہلی اشاعت: ۲۰۰۹ء

طباعت: ڈان پرنٹرز، کراچی

زیراہتمام: آج کی کتابیں

سٹی پریس بک شاپ

316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی 74400

فون: 5650623، 5213916 (92-21)

ای میل: ajmalkamal@gmail.com

ترتیب

چھینی ہوئی تاریخ

شاعری میں نے ایجاد کی ۱۷
تل زعتر سے نشیب ۱۹
مٹی کی کان ۲۶
زندگی مجھے اتنی فراوانی سے نہیں ملی ۳۴
قدیم تلواروں کا زنگ ۴۰
گون زا گو کہاں مارا گیا ۴۴
اگر میں کسی کو یاد رہ سکا ۴۷
چھینی ہوئی تاریخ ۵۰
سمندر نے تم سے کیا کہا ۵۶
ہمیں ہمارے خوابوں میں مار دیا جاتا ہے ۵۸
بلس اسٹریٹ میں ایک شام ۶۳
یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ۶۴
اگر انھیں معلوم ہو جائے ۶۵
میں کچھ نہ کچھ بیچ جاتا تھا ۶۷
ایک دن اور زندہ رہ جانا ۶۸
لاگ بک ۶۹

اگر میں لوٹ کر نہ آ سکا ۷۱
میں مار دیا جاؤں گا ۷۴
برفانی چڑیوں کا قتل ۷۷
جنگل کے پاس ایک عورت تھی ۸۰
میرا دل چاہتا ہے ۸۳
ایک تلوار کی داستان ۸۶
شاعر کا دل ۸۸
کیا آگ سب سے اچھی خریدار ہے؟ ۹۱
میں ہار جاتا ہوں ۹۴
آگ لگنے کے وقت ۹۶
آمین اور الوداع ۹۸
ایک پاگل کتے کا نوحہ ۱۰۰
کون شاعر رہ سکتا ہے ۱۰۲
فیصلہ ۱۰۴
روشنی ۱۰۵
فوری طور پر جاری کی ہوئی ایک یادداشت ۱۰۷
نظم ۱۰۹
میں ڈرتا ہوں ۱۱۱
مجھے وہ سفید پھول پسند نہیں ۱۱۳
سُرخ پتوں کا ایک درخت ۱۱۵
محبت ۱۱۶
ہم کسی سے پوچھے بغیر زندہ رہتے ہیں ۱۱۸
گھاس سے ہریالی کاٹنے کے بعد ۱۲۱

جتنی دیر میں ایک روٹی پکے گی ۱۲۶
بادشاہ کا خواب ۱۲۹
نو جو بنا ۱۳۲

دو زبانوں میں سزائے موت

ثوبیہ ۱۵۵
اگر تم تک میری آواز نہیں پہنچ رہی ہے ۱۶۸
زندہ رہنے کی آخری تاریخ ۱۶۹
ایک نئی زبان کا سیکھنا ۱۷۰
تم خوبصورت دائروں میں رہتی ہو ۱۷۱
نظم ۱۷۳
مجھے اس باغ میں جانے دو ۱۷۵
نظم ۱۷۷
تم ایک بوسہ ہو ۱۷۸
زرینہ ۱۷۹
جس کا کوئی انتظار نہ کر رہا ہو ۱۸۱
شاعری کی اصناف ۱۸۳
زندہ رہنا ایک میکانیکی اذیت ہے ۱۸۵
آندروس آئی لینڈ ۱۸۷
میں زندگی کو استعمال کرنا چاہتا ہوں ۱۸۹
خشک ہوتی ہوئی بندرگاہ ۱۹۰
مجھے ایک کاسنی پھول پسند تھا ۱۹۲

جس سے محبت ہو ۱۹۳
آخری دلیل ۱۹۵
کیا محبت کہیں کھو گئی ۱۹۷
اگر ہم گیت نہ گاتے ۱۹۹
نظم ۲۰۱
میزبان ۲۰۲
محبت ۲۰۳
تمھاری انگلیاں ۲۰۵
تمھارے بدن کا تہوار ختم ہونے کے بعد ۲۰۷
ہمیں بھول جانا چاہیے ۲۰۹
جہنم ۲۱۱
اگر آپ مریم کانسکی وچ ہوتے ۲۱۶
کرسٹل ناخت ۲۱۸
دو زبانوں میں سزائے موت ۲۲۰
سوربون کی سابق طالبہ ۲۲۲
ایک اچھا سوال ۲۲۴
کون تھا وہ ۲۲۵
طوق اور تعویذ ۲۲۶
ہم یہ جان کر خوش ہو سکتے ہیں ۲۲۷
میری انتوانیت ۲۲۸
حکایت ۲۳۰
گلدستے اور دعوت نامہ ۲۳۳
لاوانیا کے قریب ۲۳۵

تم نیند میں بہت خوبصورت لگتی ہو	۲۳۶
دلیر لڑکی	۲۳۷
اگر کوئی پوچھے	۲۳۹
گھوڑی جن کی ہے	۲۴۲
ملک الشعرا غبار اِسباریان کا ایک مطلع	۲۴۴
میرے پارلر میں قدم رکھو	۲۴۵
وہ اپنے آنسو ایک نازک ہیر ڈرائیر سے سکھاتی ہے	۲۴۶
فروخت کیے ہوئے انسانوں کی بغاوت	۲۴۸
خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے	۲۵۲
شاعر اور تلوار کا گیت	۲۵۴
نظم	۲۵۸
زندگی ہمارے لیے آسان کر دی گئی ہے	۲۶۰
پھانسی	۲۶۲
میں اس لیے نہیں پیدا ہوا تھا	۲۶۵

روکوکو اور دوسری دنیائیں

ہمارا قومی درخت	۲۶۹
ایک مملکت کی خفیہ تاریخ	۲۷۰
صرف غیر اہم شاعر	۲۷۳
روکوکو اور دوسری دنیائیں	۲۷۴
ایک ناممکن لڑکی	۲۷۶
ایمپریس مارکٹ سے واپسی	۲۷۸

آسٹریلا ڈی کیوروز کی موت ۲۸۰

کون کیا دیکھنا چاہتا ہے ۲۸۲

ایک دشوار سوال ۲۸۴

ایک زنگ آلود پن ۲۸۵

وہ آدمی جسے لڑکیوں کی جلد پسند تھی ۲۸۷

لینن فہمیدہ ریاض کے حضور میں ۲۸۸

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں ۲۹۲

ایک افتتاحی تقریب ۲۹۴

کھیل ۲۹۶

ہمارے لیے ۲۹۸

خداوند خدا کی روح ۳۰۰

افتتاحی تختی چوری ہوگئی ہے ۳۰۱

ہدایات کے مطابق ۳۰۳

شہر میں بہار لوٹ آئے گی ۳۰۴

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ۳۰۶

وقت ان کا دشمن ہے ۳۰۷

ایک آئس کریم کو متعارف کرانے کی مہم ۳۰۸

دریائے سندھ ہمارے دکھ کیوں نہیں بہالے جاتا ۳۰۹

ایک لڑکی ۳۱۱

ایک سیاسی جماعت کے لیے انتخابی نشان
گھوڑا منتخب ہونے پر ۳۱۳

رابرٹ کلائیو ۳۱۴

صفحہ نمبر ۱۶۳ پر ایک تصویر ۳۱۶

بریٹیکس ۳۱۹
فلکیات اور شاعر ۳۲۱
عظیم ناموں سے ابتدا ۳۲۲
کتے کی موت ۳۲۴
مجھے ایک کہانی سناؤ ۳۲۵
امینہ جیلانی کیوں نہیں لکھتی ۳۲۷
فوجی ورجل کی زمین چھین لیتے ہیں ۳۲۹

خیمۂ سیاہ

سحابِ سبز نہ طاؤسِ نیلمیں لایا ۳۳۵
ہوا ہے قطع مرادستِ معجزہ تجھ پہ ۳۳۶
ایک ہی وقت میں تمہیدِ برو بحر لکھی ۳۳۷
کچھ اور رنگ میں ترتیبِ خشک و تر کرتا ۳۳۸
کبھی نہ خود کو بد اندیشِ دشت و در رکھا ۳۳۹
نشان کس کا سپہرِ سیاہ میں آیا ۳۴۰
دعا کی راکھ پہ مرمر کا عطرداں اُس کا ۳۴۱
دل خوش بہت فضائے اساطیر میں رہا ۳۴۲
روشن وہ دل پہ میرے دل آزار سے ہوا ۳۴۳
بہت نہ حوصلۂ عزّ و جاہ مجھ سے ہوا ۳۴۴
اگرچہ دل کو کئی عکس نے گزند کیا ۳۴۵
میزانِ بد و نیک سے اِک گوہرِ نایاب ۳۴۶
اس سیلِ کاروکشت سے عالم ہلاک تھا ۳۴۷

جستِ فنا کو بازیِ آموختہ کیے ۳۴۸
آئینِ انتقام سے آئینہ خانہ تھا ۳۴۹
پُرسشِ خنجرِ سفاک سے آمادہ کیا ۳۵۰
اک خشت اگر کنگرۂ ایوان پہ رکھنا ۳۵۱
کوزے کو چاک، رنگ کو تصویر چاہیے ۳۵۲
گراتو گر کے سرِ خاکِ ابتذال آیا ۳۵۳
حشرِ نے آمدہ اس سوختہ جاں پر آیا ۳۵۴
خواب نے قید کیا ہے سروافسر میرا ۳۵۵
بانوے شہر سے کہنا کہ ملاقات کرے ۳۵۶
بانوے شہر سے کل شام ملاقات ہوئی ۳۵۷
چراغ کشتہ کیا اور علم نہادہ کیا ۳۵۸
عجیب خانۂ زنجیر سے صدا آئی ۳۵۹
یہ نہرِ آب بھی اُس کی ہے ملکِ شام اُس کا ۳۶۰
بہارِ گل کا مجھے نشۂ شدید ہوا ۳۶۱
خدائے ناز کے ادراک سے زیادہ تھا ۳۶۲
ستم کی تیغ پہ یہ دستِ بے نیام رکھا ۳۶۳
یہ نوجوان جو اِس خیمۂ سیاہ میں ہے ۳۶۴
کیا خود کو خاکِ تیز کے مانند کر دیا ۳۶۵
بپا ہے شورِ عزا خانۂ تغافل میں ۳۶۶
اک شخص چاہیے جو مجھے زندہ رکھ سکے ۳۶۷
اک شام یہ سفاک و بداندیش جلادے ۳۶۸
کوئی نہ حرفِ نوید و خبر کہا اُس نے ۳۶۹
تمام خاک ہوا اور پھر نہیں سے بنا ۳۷۰

نے مسلکِ غالب نہ غمِ میر سے پہنچا ۳۷۱
کتابِ شب سے جو کوئی ورق نکل آیا ۳۷۲
نشاطِ نشۂ وحشت میں یہ غضب کرتا ۳۷۳
یہ قتلِ عام جو چشمِ سیاہ تاب سے ہے ۳۷۴
نگہ کو شوخ بنانا، ادا کو خوش کرنا ۳۷۵
گُلِ شقائقِ لبنان کے لیے نکلا ۳۷۶
گراں فروش تھا میں دل کے کاروبار میں کل ۳۷۷
کہیں لکھا ہو مرے ہاتھ سے نہ خوں اُس کا ۳۷۸
کسی کی خاک سے اپنی سرشت کیا کرتا ۳۷۹
اگر میں شرح کیے جاؤں تو یہ حق میرا ۳۸۰
بہت دنوں میں سمجھ مجھ کو حالِ غیر آیا ۳۸۱
اے بخت کہ اُس جانِ تغافل نے پئے فال ۳۸۳
یہ کہہ کے روز وہ شاخِ حنا جلاتا ہے ۳۸۴
قبائے ناز وہ بے باک کھول دیتا ہے ۳۸۵
وہ سیم بر تپشِ ارتباط سے خوش تھا ۳۸۶
اک دن جو ترے گلشنِ نوروز میں آیا ۳۸۷
فزوں پذیر رہے حسنِ شادکام اُس کا ۳۸۸
خواب خوش دیکھا ہوں میں رات کہ وہ آئنہ رُو ۳۸۹

چھینی ہوئی تاریخ

شاعری میں نے ایجاد کی

کاغذ مراکشیوں نے ایجاد کیا
حروف فونیشیوں نے
شاعری میں نے ایجاد کی

قبر کھودنے والے نے تندور ایجاد کیا
تندور پر قبضہ کرنے والوں نے روٹی کی پرچی بنائی
روٹی لینے والوں نے قطار ایجاد کی
اور مل کر گانا سیکھا

روٹی کی قطار میں جب چیونٹیاں بھی آ کر کھڑی ہو گئیں
تو فاقہ ایجاد ہو گیا

شہتوت بیچنے والے نے ریشم کا کیڑا ایجاد کیا
شاعری نے ریشم سے لڑکیوں کے لیے لباس بنایا
ریشم میں ملبوس لڑکیوں کے لیے کٹنیوں نے محل سرا ایجاد کی
جہاں جا کر انھوں نے ریشم کے کیڑے کا پتا بتا دیا

فاصلے نے گھوڑے کے چار پاؤں ایجاد کیے
تیز رفتاری نے رتھ بنایا

اور جب شکست ایجاد ہوئی
تو مجھے تیز رفتار رتھ کے آگے لٹا دیا گیا

مگر اس وقت تک شاعری محبت کو ایجاد کر چکی تھی

محبت نے دل ایجاد کیا
دل نے خیمہ اور کشتیاں بنائیں
اور دور دراز کے مقامات طے کیے

خواجہ سرا نے مچھلی پکڑنے کا کانٹا ایجاد کیا
اور سوئے ہوئے دل میں چبھو کر بھاگ گیا

دل میں چبھے ہوئے کانٹے کی ڈور تھامنے کے لیے
نیلامی ایجاد ہوئی
اور
جبر نے آخری بولی ایجاد کی

میں نے ساری شاعری بیچ کر آگ خریدی
اور جبر کا ہاتھ جلا دیا

تل زعتر سے نشیب

میں بادلوں کا وہ ٹکڑا ہوں
جسے پتھر سے باندھ کر
ڈوبنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے
میرا کوئی خاندانی قبرستان نہیں ہے
کرائے کے فوجیوں کا گھرانہ
وطن سے دور مرنے کی رسم

آٹے کی چکّی کی بستیوں میں
مجھے آدمیوں سے خوف آتا ہوگا
میں اس گھاٹ پر نہاتا ہوں
جہاں جانور نہاتے ہیں

ماں میرے سر میں ناریل کا تیل چپڑ دیتی ہوگی
میں گھگھیانا شروع کر دیتا ہوں
میں نے کبھی کوئی لوری نہیں سنی
میں کبھی نہیں سویا ہوں گا

تل زعتر: ۱۹۷۶ء کے بیروت میں فلسطینیوں کا ایک پناہ گزیں کیمپ۔

میں شاعروں کی طرح تتلیوں کے پیچھے بھاگتا
مگر ضدی گندے، بہن بھائیوں کو بہلانے کے لیے روک دیا جاتا رہا ہوں گا

ہمارے گھر کوئی مہمان نہیں آتا تھا
کوئی تہوار نہیں آتا تھا
ہم مُردوں کا تہوار تک نہیں مناتے تھے

میرا پسندیدہ کھلونا
چوہے دان رہا ہوگا
میری دوپہریں وباؤں کی بستیوں میں آہ و بکا سننے میں گزری ہوں گی
شام کو جب منحوس پرندے شور مچانے لگتے
میں گھر آجاتا
اور اپنے پاؤں سے زمین کریدنے لگتا
کوئی خزانہ ہمارے گھر کے نیچے دفن ہے
مگر میرا باپ مجھے لہولہان کر دیتا ہے

مجھے اپنے باپ سے محبت رہی ہوگی
جب ہی اس کی قبر پر اتنی سبز گھاس اُگی
میرا بچپن ننگی بارشوں میں گزرا ہوگا
دلدلوں پہ شارع عام لکھا ہے
میں وہ بارہ سنگھا ہوں
جس کی سینگیں رات کے جنگل میں الجھ جاتی رہی ہوں گی

میں لکڑہارا بن جاتا
مگر ہر درخت پر محبت کرنے والوں کے نام کھدے رہے ہوں گے
میں سورج مکھی کے پھول اگاتا
مگر سورج کو پوجنا بند کردیا گیا ہوگا

جب شاہزادیاں
خواجہ سراؤں کے ساتھ بھاگ رہی تھیں
میں تمھیں کسی پیڑ کے نیچے کھڑا کر کے
کچی جامنیں نہیں جھڑجھڑا سکا

جب کنیزیں
پنجرے میں بند پرندوں کو نرم اور سبز پتیاں کھلا رہی تھیں
میں تمھیں وہ گھونگا نہیں بنا سکا
جس کو کان پر لگانے سے
میرا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا سنائی دیتا رہا ہوگا

میں تمھاری الگنی پر نہیں سوکھا
تمھارے گھڑے سے نہیں چھلکا
میں تمھیں گدی سے تلووں تک اپنے نام سے نہیں داغ سکا

سیلاب آنے سے پہلے
تمھارے بستی چھوڑتے وقت
میں نے اپنی انگلی کاٹ کر چہیتوں کے دن کی نشانی لوٹا دی

مگر جب بہار کی آنچ سے مٹی تمتمانے لگی
تم اپنی جلی ہوئی روٹی
اور آدھ بچے شوربے میں مجھے شریک نہیں کر سکیں

ساری کپاس
شہزادوں کے کفن بنانے میں صرف ہوگئی
سارا ریشم
شہزادیوں کی جرابوں پر
فاتح اور مفتوح فوجی
بھیڑوں کو اون سمیت کھا گئے
گلی میں یتیم کتے
اپنی کھالوں کو دوہرا کیے اوڑھے ہوں گے
اکڑی ہوئی اینٹوں پر سوئے ہوئے بچوں کو
دودھ میں مردہ شکر ڈال کر پلائی جا رہی ہے

روشنی آنتوں میں سوئیوں کی طرح چبھ رہی ہوگی
گزشتہ سال کے تمام دنوں کو ایک ہی قبر میں سلاتے ہوئے
غلطی سے نئے سال کا پہلا دن بھی
دفن کر دیا گیا
اب مرنے کا چھوت تمام دنوں کو لگ رہا ہے

جب باہر بھیڑیے گھوم رہے تھے

ماں سے میں نے کہا
جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاؤ

جب باہر لٹیرے گھوم رہے تھے
بہن سے میں نے کہا
کنویں سے پانی بھر لاؤ

جب بادل کو آسمان پر
اور پنیریوں کو کھیتوں پر پھیلانے کا وقت تھا
میں اپنی تنہائی کو ہتھوڑے سے کوٹ رہا ہوں گا
جب بادل کو کھیتوں پر
اور پرندوں کو خوشوں پر آنے سے روکنے کا موسم رہا ہو گا
میں اپنی تنہائی کو
چاک پر چڑھا کر ایک خوبصورت پیالہ بنا رہا ہوں گا

میرے دوستوں نے
اپنے ہاتھ دیواروں میں بو دیے ہوں گے
اور ساحل پر پڑی ہوئی کشتیوں کے پیندے میں اپنے سر
وہ سورج کو ڈوبتا دیکھ کر
سڑی ہوئی مچھلی کی طرح پگھل جاتے رہے ہوں گے
انھوں نے کبھی زمین کا چقماق جلا کر
شعلے نہیں کاشت کیے

اپنے مویشیوں اور بال بچوں کے ساتھ
ایک ناند میں کھانا کھانے کے بعد
وہ اپنی بیویوں کے ساتھ سو جانے کے لیے
اپنے بچوں کے آنکھیں موند لینے کا انتظار نہیں کرتے ہوں گے
برسوں جرابوں کی طرح پہنی ہوئی ان کی بیویوں کے منہ سے
چراندھ آ رہی ہو گی
ان کے بچے
خون کی زندہ جلتی ہوئی بوند رہے ہوں گے

چاند آسمان پر شہد کا چھتا ہے
میں اسے ریچھ بادلوں کے حملے سے بچانے جا رہا ہوں

میرے نیزے روشنی سے تیز چلتے ہیں
بادل میری کشتیوں کے بادبان ہیں
میری توپیں سورج داغتی ہیں
سمندر سرکشی پر آمادہ ہے
میں اسے ہواؤں کے گھوڑوں سے جوتنے والا ہوں
روشنی جو اس شہر کے کھمبوں پر سرنگوں ہے
میں اسے کوڑے مارے مار کر اوپر بھیجوں گا

میں انھیں گرد اور غبار کے دریا میں اپنے اعضا ڈھونڈنے پر مجبور کر دوں گا
جن کی پلکیں ہوا چلنے سے جھڑ جاتی ہیں
جن کی آنکھیں روشنی میں تڑخ جاتی ہیں

جن کی گائیں سیاہ دودھ دیتی ہیں

میں اپنے زخموں میں گندھک سے
فتح کا اعلان لکھوں گا
اور
تمھاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں
انھیں اپنی تلوار کے دستے پر لگاؤں گا

مٹی کی کان

میں مٹی کی کان کا مزدور ہوں
کام ختم ہو جانے کے بعد ہماری تلاشی لی جاتی ہے
ہمارے نگران ہمارے بند بند الگ کر دیتے ہیں
پھر ہمیں جوڑ دیا جاتا ہے
ہمارے نگران ہمیں لاپروائی سے جوڑتے ہیں

پہلے دن میرے کسی حصے کی جگہ
کسی اور کا کوئی حصہ جوڑ دیا گیا تھا
ہوتے ہوتے
ایک ایک رواں
کسی نہ کسی اور کا ہو جاتا ہے
خبر نہیں
میرے مختلف حصوں سے جڑے ہوئے مزدوروں میں کتنے
کان بیٹھنے سے مر گئے ہوں گے
مٹی چرانے کے عوض
زندہ جلا دیے گئے ہوں گے

مٹی کی کان میں کئی چیزوں پر پابندی ہے
مٹی کی کان میں پانی پر پابندی ہے
پانی مٹی کی حاکمیت کو ختم کر کے اسے اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے

اگر نگرانوں کو معلوم ہو جائے
کہ ہم نے مٹی کی کان میں آنے سے پہلے پانی پی لیا تھا
تو ہمیں شکنجے میں الٹا لٹکا کر
سارا پانی نچوڑ لیا جاتا ہے
اور پانی کے جتنے قطرے برآمد ہوتے ہیں
اتنے دنوں کی مزدوری کاٹ لی جاتی ہے

مٹی کی کان میں آگ پر پابندی نہیں ہے
کوئی بھی نگران آگ پر پابندی نہیں لگاتے
آگ کان کے مختلف حصوں کے درمیان دیوار کا کام کرتی ہے

میں بھی آگ کی چاردیواریوں کے درمیان کام کرتا ہوں
کوئی بھی مزدوری آگ کی چاردیواریوں کے بغیر نہیں ہو سکتی

مٹی کی کان میں آگ کا ایک اور کام بھی ہے
کبھی کبھی نگران ساری کان کو اچانک خالی کرانا چاہتے ہیں
اس وقت کان میں آگ پھیلا دی جاتی ہے
اس دن اگر کوئی سلامت نکل جائے تو اس کی تلاشی نہیں لی جاتی
مٹی ایسے ہی دن چرائی جا سکتی ہے

میں نے ایک ایسے ہی دن مٹی چرائی تھی

وہ مٹی میں نے ایک جگہ رکھ دی ہے
ایک ایسے ہی آگ بھڑکائے جانے کے دن
میں نے بے کار اعضا کے انبار سے
اپنے ناخن اور اپنے دل کی لکیر چرائی تھی
اور انھیں بھی ایک جگہ رکھ دیا ہے

مجھے کسی نہ کسی طرح آگ کی خبر ہو جاتی ہے
اور میں چوری کے لیے تیار ہو جاتا ہوں

میں نے کوڑے کے ڈھیر پر ایک پاؤں دیکھ رکھا ہے
جو میرا نہیں ہے
مگر بہت خوبصورت ہے
اگلی آگ لگنے کے وقت اسے اٹھا لے جاؤں گا
اور اس کے بعد کچھ اور — اور کچھ اور — اور کچھ اور

ایک دن میں اپنی مرضی کا ایک پورا آدمی بناؤں گا

مجھے اس پورے آدمی کی فکر ہے
جو ایک دن بن جائے گا
اور مٹی کی کان میں مزدوری نہیں کرے گا

میں اس کے لیے مٹی چراؤں گا
اور تحقیق کروں گا
کان میں آگ کس طرح لگتی ہے
اور کان میں آگ لگاؤں گا
اور مٹی چراؤں گا

اتنی مٹی کہ اس آدمی کے لیے
ایک مکان، ایک پانی انبار کرنے کا کوزہ، اور ایک چراغ بنادوں

اور چراغ کے لیے آگ چراؤں گا
آگ چوری کرنے کی چیز نہیں
مگر ایک نہ ایک ضرورت کے لیے ہر چیز چوری کی جا سکتی ہے

پھر اس آدمی کو میرے ساتھ رہنا گوارا ہو جائے گا
آدمی کے لیے اگر مکان ہو، پینے کے پانی کا انبار ہو اور چراغ میں آگ ہو
تو اسے کسی کے ساتھ بھی رہنا گوارا ہو سکتا ہے
میں اسے اپنی روٹی میں شریک کروں گا
اور اگر روٹیاں کم پڑیں
تو روٹیاں چراؤں گا

ویسے بھی نگران ان مزدوروں کو جو کان میں شور نہیں مچاتے
بچی کھچی روٹیاں دیتے رہتے ہیں

میں نے مٹی کی کان میں کبھی کوئی لفظ نہیں بولا
اور اس سے باہر بھی نہیں
میں اپنے بنائے ہوئے آدمی کو اپنی زبان سکھاؤں گا
اور اس سے باتیں کروں گا

میں اس سے مٹی کی کان کی باتیں نہیں کروں گا
مجھے وہ لوگ پسند نہیں جو اپنے کام کاج کی باتیں گھر جا کر بھی کرتے ہیں

میں اس سے باتیں کروں گا
گہرے پانیوں کے سفر کی

اور اگر میں اس کے سینے میں کوئی دھڑکنے والا دل چرا کر لگا سکا
تو اس سے محبت کی باتیں کروں گا
اس لڑکی کی جسے میں نے چاہا ہے
اور اس لڑکی کی جسے وہ چاہے گا

میں اس آدمی کو ہمیشہ اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا
کسی بھی آدمی کو کوئی ہمیشہ اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا

میں اس میں سفر کا حوصلہ پیدا کروں گا
اور اسے اس خطے میں بھیجوں گا
جہاں درخت مٹی میں پانی ڈالے بغیر نکل آتے ہیں

اور وہ ان بیجوں کو میرے لیے لے آئے گا
جن کے اگنے کے لیے
پانی کی ضرورت نہیں ہوتی

میں روزانہ ایک ایک بیج
مٹی کی کان میں بوتا جاؤں گا
بوتا جاؤں گا
ایک دن کسی بھی بیج کے پھوٹنے کا موسم آ جاتا ہے

مٹی کی کان میں میرا لگایا ہوا بیج پھوٹے گا
اور پودا نکلنا شروع ہو گا

میرے نگران بہت پریشان ہوں گے
انھوں نے کبھی کوئی درخت نہیں دیکھا ہے
وہ بہت وحشت زدہ ہوں گے اور بھاگیں گے

میں کسی بھی نگراں کو بھاگتے دیکھ کر
اس کے ساتھ کان کے دوسرے دہانے کا پتا لگا لوں گا
کسی بھی کان کا دوسرا دہانہ معلوم ہو جائے تو اس کی دہشت نکل جاتی ہے

جب میری دہشت نکل جائے گی
میں آگ کی دیوار سے گزر کر
مٹی کی کان کو دور دور جا کر دیکھوں گا

اور ایک ویران گوشے میں
اوپر کی طرف ایک سرنگ بناؤں گا

سرنگ ایسی جگہ بناؤں گا
جس کے اوپر
ایک دریا بہہ رہا ہو

مجھے ایک دریا چاہیے

میں وہ آدمی ہوں جس نے اپنا دریا بیچ کر
ایک پل خریدا تھا
اور چاہا تھا کہ اپنی گزراوقات
پل کے محصول پر کرے
مگر بے دریا کے پل سے کوئی گزرنے نہیں آیا
پھر میں نے پل بیچ دیا
اور ایک ناؤ خرید لی
مگر بے دریا کی ناؤ کو کوئی سواری نہیں ملی

پھر میں نے ناؤ بیچ دی
اور مضبوط ڈوریوں والا ایک جال خرید لیا
مگر بے دریا کے جال میں کوئی مچھلی نہیں پھنسی

پھر میں نے جال بیچ دیا

اور ایک چھتری خرید لی
اور بے دریا کی زمین پر مسافروں کو سایہ فراہم کر کے گزر کرنے لگا

مگر دھیرے دھیرے
مسافر آنے بند ہوتے ہو گئے

اور ایک دن جب
سورج کا سایہ میری چھتری سے چھوٹا ہو گیا
میں نے چھتری بیچ دی
اور ایک روٹی خرید لی

کسی بھی تجارت میں یہ آخری سودا ہوتا ہے
ایک رات
یا کئی راتوں کے بعد
جب وہ روٹی ختم ہو گئی
میں نے نوکری کر لی

نوکری مٹی کی کان میں ملی

زندگی مجھے اتنی فراوانی سے نہیں ملی

زندگی مجھے اتنی فراوانی سے نہیں ملی
میرے دریا حریف کی صفوں سے گزر کر مجھ تک پہنچے
میں نے ہمیشہ جھوٹا پانی پیا
مجھے ایک موسم بارشوں کے نام پر خالی چھوڑنا پڑا
میرے لیے وصیت نامہ اس نے چھوڑا
جو کبھی بارشوں میں ننگے پاؤں نہیں پھرا

مجھے نہیں معلوم کہ
وہ وہی ہے
جسے گود میں لیے ایک عورت گھڑسواروں کے آگے گڑگڑا رہی تھی
اور جو گھوڑے کے نتھنوں سے نکلنے والی بھاپ سے
اپنا چہرہ بچانے کی کوشش عمر بھر کرتی رہتی ہے
مجھے نہیں معلوم کہ
وہ وہی ہے
جسے اس کی ماں نے پالنے میں رسیوں سے باندھ رکھا تھا

میں اپنی ماں کی گود

اور اپنے پالنے سے بار بار گر جاتا تھا
کیونکہ میں ایک کنویں میں پیدا ہوا تھا
جس کو کبھی پانی سے نہیں بھرا گیا
اور ایک مکان میں رہنے لگا
جو ایک کشتی کے ٹوٹے ہوئے تختوں سے بنایا گیا تھا

میں نے سرکنڈوں کی کشتی بنائی
اور اسے پتھر کے چپوؤں سے کھیا

میں نے اس کے شہر کے غیر آباد ساحل پر
ایک فصل بوئی
اور ایک کاٹی

ہاتھی دانت کا چاند
سوسن کے پھولوں کی نگہبانی کرتا ہے
وہ اپنے شہد اور روغن کے مرتبانوں کی نگرانی کرتی ہے

پتا نہیں
میرے آسمان پر ہاتھی دانت کا چاند بھی اسی نے دریافت کیا ہو
جیسا کہ اس نے میرے لیے قطب ستارہ دریافت کیا
اور پرانی نہر کھدوائی
مجھے پتا ہے
کہ اس کا باپ

منہیارے سے سوداگر کس طرح بن جاتا ہے
کس طرح
میں رقص گاہ میں اس تک درخواست لیے جاتے جاتے
نرسنگھا بجا کر خیرات دینے والوں کے سامنے
قطار میں کھڑا ہو جاتا ہوں

حالانکہ
میں تو وہ ہوں
جو گیلی سیڑھیوں پر
سورج کا راستہ روکنے کے لیے ہے
اس دن بھی
جب آگ دیکھنے والا پتھر کا ہو جاتا ہے

اگر بیل سے انگوروں کا انبار ناند میں منتقل ہو جائے
اس کی وادیوں کو دوہانہ جائے اور
ان کا اون اتار نہ لیا جائے
تو اس سے کہنا
کوئی قیدی کسی ناراض دیوتا پر قربان کر دیا گیا
اور
یہ موقع وہ تھا
جب مائیں اپنے پہلوٹی کے بچے
رتھوں کے آگے لٹا دیتیں

میں ایک جلائے ہوئے شہر میں لایا گیا ہوں
شہر وہی اچھے ہیں
جو لڑکیوں کے نام پر بسائے اور دیوتاؤں کے نام پر جلائے جائیں
لڑکیاں وہی خوبصورت ہیں
جو اُدھڑی ہوئی قبروں میں سے نکلے ہوئے ہاتھوں پر
فصل میں پہلی بار توڑے ہوئے پھل رکھتی چلی جائیں

اگر شاعری محبت کی کفایت کرتی
تو میں سمندر کے دونوں کناروں کو اپنی شاعری سے جوڑ دیتا

مگر امان نامہ میرے ہاتھوں میں ہے
اور اس کے خداوند کے اہلکار
میری پناہ گاہ ڈھا رہے ہیں

کیا یہ سمندر میرا پردیس رہ سکے گا
جو مجھے یقین دلاتا تھا کہ میں
جب تک اس کے کناروں پر رہوں گا
آدم زاد جیسا رہوں گا

پتا نہیں کب وہ جہاز آ کر رُکے
جس کا ناخدا میرے لیے الاؤ روشن کرتا

پتا نہیں کب

وہ دیوی جو اس شہر کی مالکہ ہے
مجھے اپنی خوشنودی عطا کرے
کہ میں ان کے لشکر کے ساتھ نہیں تھا
جنھوں نے اس کی کارواں سرایوں میں صرف ایک رات گزاری

جب دعا سے پہلے
سیب میں خوشبو
اور بددعا سے پہلے
سانپ میں زہر پیدا ہو جائے
کسی جلے ہوئے شہر کے پتھروں سے
کوئی جلا ہوا شہر بن رہا ہو
میں اپنے وطن واپس چلا جاؤں

یہ سمندر پسپا ہو جائے گا
اور بستیوں پر چڑھ آئے گا
جیسا کہ سمندروں کا دستور ہے

اس کے شہر میں صرف ایک عورت بچے گی
جو وہ ہوگی
اور ایک خواجہ سرا بچے گا
جو کوئی بھی ہو سکتا ہے

شاید

اس کے دل میں
کوئی شہتوت کا پیڑ نہیں تھا
مگر میرا دل
ایک ریشم کا کیڑا ہے
میں اس کیڑے کو اپنے شناخت نامے سے نکال چکا ہوں
اور اس کے ساتھ ساتھ
رینگتا ہوں

''اب جو میرے ساتھ نہیں
وہ میرے خلاف ہے''

قدیم تلواروں کا زنگ

مردہ رات پر پھیلی ہوئی دیوار کے نیچے
ایک عورت اپنے اندھے بچے کو ایک لوری اور ایک نارنگی دے رہی ہے
جس کے ساتھ اس درخت کی پتیاں لگی ہوئی ہیں
جو کسی دل میں نہیں اُگا

یہ ایک آنسو ہے
جو یاسمین کے باغوں کو سیاہ کر دیتا ہے
اور خون کی ایک بوند
سفید پرچموں کو سرخ

گھاس کے ایک گٹھر پر
جس کی دوسری طرف آگ پکڑ چکی تھی
لافانیت سے گریز کرتے ہوئے
ایک اساطیری خدا نے تمھیں لٹایا

تم ملکہ تھیں یا نہیں
تمھیں شہد اور قدیم تلواروں کے زنگ میں دفن کیا جائے گا

تمھاری شبیہ سے کسی آسمان کو نہیں سجایا جائے گا
مگر دلدلوں اور نوزندگیوں کے کھیل کے دوسری طرف
ایک غار میں
دیوار پر کھدی ہوئی تمھاری آنکھوں سے ․
اُس سمندر کے پانی پر زندہ رہنے والے ایک فرقے کا آغاز ہوگا
جس پر کبھی کشتیاں نہیں چلیں

دل کوئی پُل کوئی سیڑھی نہیں
جو ہمیں ملادے
کوئی شکنجہ نہیں
جو مجھے اور تمھیں اپنی گرفت میں رکھ سکے

کاش تم نے مجھے ناہموار پہیوں والے رتھ سے نہ کاٹا ہوتا
جو مجھے پہاڑیوں اور خندقوں، تمھارے جسم اور ریت پر گھسیٹ رہا تھا

یہ محض اتفاق ہے
تم نے اپنے جواور جواہرات اُس گڑھے میں چھپائے
جہاں میں نے اپنا اسلحہ
اور خصّی کیے ہوئے چیتوں کے طوق دفن کیے تھے

میں ایڑی میں لگے ہوئے تیر سے مر رہا ہوں
کوئی فاتح میرے مدفن کے لیے سفر نہیں کرے گا
میری زرہ کو حاصل کرنے کے لیے کوئی جنگ نہیں لڑی جائے گی

تم ایک آفت زدہ خطے میں
بارش کی دعا کرو گی
جو ہو جائے گی
اور تمھیں ایک ساحرہ قرار دے کر
زرخیزی کے تہوار میں زندہ جلا دیا جائے گا

میں اس بوسے کا جشن مناتا ہوں
جس نے ایک معبد کی سیڑھیوں پر
جس کا شمار دنیا کے عجائبات میں نہیں ہوگا
تمھارے ہونٹ سُجا دیے
اور تمھارے پیروں کے ناخنوں کو سرخ کر دیا

ایک دریا جو کبھی سیلاب میں نہیں آیا
ہمیں الگ کرتا ہے
ایک کند چھری
موم کے ایک ٹکڑے سے
جو شہنشاہوں اور ان کے مخالفین کے ایک خاندان کی مہر ہے
گزر جاتی ہے

محبت کرنے والے
ہزار بہار اور ایک گُہر کے باغ میں
ہم پر رشک کرتے ہیں

تم ایک سیاہ سورج مکھی
میں ایک سورج اور ایک گہن

ہم ایک قتل عام میں
ایک تہوار میں
چٹانوں میں بنے ہوئے چھوٹے قلعے کی کوٹھڑی میں
ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہوں گے

مجھے تمھارا جشن منانے دو

تم شیشہ ہو
اور میں ریت کا ذرہ
میں تم سے گزرتا ہوں
یہاں تک کہ میرا وقت آ جاتا ہے

اور جلاد
کسی پورے چاند کی رات میں پاگل نہ ہونے والے بھیڑیوں کے نرغے میں آئے ہوئے شہر کے
چاروں دروازوں پر
میرا نام پکارتے ہیں

گون زاگو کہاں مارا گیا

گون زاگو کہاں مارا گیا
بغلی دروازے کے پیچھے
اسٹیج کے وسط میں
یا کھیل کے مسودے کے اندر

بڑے عجائب گھر میں وہ خنجر محفوظ ہے
جس سے کھیل کے آخری پردے کی ڈور کاٹی گئی تھی

کھیل کے آخری پردے کی ڈور
اُن بازی گروں میں بٹ گئی
جنھیں کبھی رسیوں پر چلنا نہیں آیا

گون زاگو کو کس چیز سے قتل کیا گیا
کبھی شناخت نہ ہونے والے زہر
کبھی نظر نہ آنے والی چوٹ
یا اس مکالمے سے جو اسے کبھی ادا نہیں کرنا تھا

گون زاگو: بحوالہ شیکسپیئر اور سال بیلو۔

گون زا گو کو کس نے قتل کیا
یہ بات اس کے قاتل بھی جانتے ہیں
اور عام تماشائی بھی
مگر مجھے اس بات کو جاننے کے لیے
کھیل کا مسودہ غور سے پڑھنا پڑے گا

کھیل کا مسودہ کس نے لکھا ہے
کھیل کا مسودہ انھوں نے نہیں لکھا
جنھوں نے گون زا گو کو قتل کیا
کھیل کا مسودہ اس نے لکھا
جو گون زا گو کی قبر میں دفن ہوا

گورکنوں کی ایک نسل سے گزر کر
میں نے گون زا گو کی بے شناخت قبر کا پتا چلا لیا
مگر مجھے اس کی قبر میں کھیل کا کوئی مسودہ نہیں ملا

اتنی ناکامی کے بعد
میں کبھی گون زا گو کی قبر سے باہر نہ نکلتا
اگر مجھے اس کے تابوت کے ایک گوشے میں ایک خاتون کا نام کھدا ہوا نہ ملتا

میں نے اس خاتون کی قبر کا پتا چلا لیا
جس پر لکھا تھا

یہاں گون زا گو کی محبوبہ
اور اس کے کھیل کا مسودہ دفن ہے

میں نے گون زا گو کی محبوبہ کی قبر نہیں کھولی
میں نے گون زا گو کے کھیل کا دوسرا مسودہ لکھ دیا

اگر میں کسی کو یاد رہ سکا

سردیاں آ گئیں
قیدیوں کو اونی کمبل فراہم کرنے کا اشتہار دوبارہ نکل آیا

راتیں اپنی لمبائی چوڑائی اور وزن
تبدیل کر چکی ہیں
مگر مجھے ہر رات ایک خواب آتا ہے
سلاخوں سے نکلتے ہوئے گرفتار کر لیے جانے کا

موسموں کی تبدیلی کے دوران
جو وقت پیمائش میں گرفتار نہیں ہو پاتا
اس میں میں ایک نظم پڑھتا ہوں

یہ نظم میرے بھائی نے جنگ پر جاتے ہوئے لکھی تھی
جو زندہ واپس نہیں آیا

مگر میں اس سے زیادہ ذمہ دار آدمی ہوں
اپنی میعاد پوری ہونے تک زندہ رہنا چاہتا ہوں

مجھے معلوم ہے
مشینیں بھوکی ہیں
اور کتے بے راتب پڑے ہیں

مجھے معلوم ہے
برف اور بادل بہت معصوم ہوتے ہیں
اور پہاڑ بے حد مضبوط
مجھے معلوم ہے
جو لوگ پہاڑوں پر رہتے ہیں
بہت غریب ہوتے ہیں
اور سردیاں انھیں اور زیادہ غریب بنا دیتی ہیں

بارشوں میں دیواروں پر بہت کم باتیں لکھی جا سکتی ہیں
مگر اب سردیاں آ گئی ہیں
اگر میں کسی کو یاد رہ سکا ہوتا
جیسے وہ لڑکی
جو میری نظمیں پڑھتے ہوئے رو دیتی ہے
تو دیوار پر مجھے رہا کرانے کے بارے میں کچھ لکھا جا سکتا تھا

مجھے معلوم ہے
میری نظمیں زیرِ سماعت رہ جائیں گی
مجھے معلوم ہے

میرے دل کو
جو یہاں سے کہیں زیادہ ٹھنڈے فرش اور دیوار میں قید ہے
کوئی ضمانت پر رہا کرانے نہیں آئے گا

مجھے معلوم ہے
اونی کمبلوں کی فراہمی مکمل ہوتے ہوتے
سردیوں کا موسم گزر جائے گا

چھینی ہوئی تاریخ

ہم براہ راست حملے میں بچ گئے
اور اب چن چن کر مار دیے جانے کی کارروائی کے دوران
جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں

ابھی ہم اتنے اہم نہیں ہوئے
کہ کسی حساس اسلحہ پر ہمارے دل کی نشاندہی کر کے
ایک منجمد موت ہمارے پیچھے لگا دی جائے

ہم کیوں بچ جاتے ہیں
ماہرین کا پینل
ایک پُر رونق شہر کے سب سے اعلیٰ ہوٹل میں
ایک سیمینار کر رہا ہے

شاید یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے
کہ ہم میں دوہری مزاحمت پیدا ہو گئی ہے
بلد کے کسی بھی طول و عرض پر
ہم جیسے کسی بھی آدمی کو مار دیا جاتا ہے

تو ہماری زندہ رہنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے

ہم نے کسی سفارت خانے میں پناہ نہیں لی
اور نہ کسی گرتے ہوئے جھنڈے کے نیچے
یہ ثابت کرنے کی کوشش کی
کہ ہمارے دونوں ہاتھ خالی ہیں

ہم نے کسی حادثے پر
کسی بیمے والے سے کوئی امداد نہیں لی
موت اور دیگر مراعات
ہماری تنخواہوں میں شامل ہیں

ہمیں ایک اعلان نامے میں لپیٹ کر
ہمارے قاتلوں کی بندوق کی نال میں ٹھونس دیا گیا
ہمارے پرستار
کبھی نہ ڈوبنے والے جہاز میں بیٹھ کر
پُرسکون سمندر میں
آب و ہوا اور ہماری تقدیر کی تبدیلی کے لیے چلے گئے

ابھی ہم مارے بھی نہیں گئے تھے
کہ تجزیاتی تجربہ گاہ سے ہماری تجزیاتی رپورٹ آ گئی
اور پتا چلا لیا گیا
کہ ہم میں زندگی نام کا کوئی جز و نہیں تھا

ہم میں کسی چیز کا بھی کوئی جزو نہیں تھا
ہم تھے ہی نہیں

شاید ہمیں مارا نہیں گیا
قسط وار تحلیل کے مضبوط اصول کے تحت
ختم کر دیا گیا

یہ یاد رکھنا بہت مشکل ہو گیا ہے
کہ ہم زندہ رہے تھے

اگر تاریخ اسلحہ کا ایک بروشر ہے
تو شاید
ہم کبھی نہیں تھے

شاید ہم اس ملک میں پیدا نہیں ہوئے
جس کا نام تبدیل ہو گیا

شاید ہم ان مکانوں میں نہیں رہے
جن کا کرایہ دینے کے لیے
ہمارے والدین کو
اور پھر ہمیں
ایک وقت کا کھانا نظر انداز کرنا پڑا

شاید ہم نے ان اداروں میں تعلیم نہیں پائی
جو مخیّر افراد کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لیے چلائے گئے

شاید میں نے
کبھی کسی پر پیچ مشین کو نہیں چلایا

شاید تم نے
کبھی پٹ مین سے شارٹ ہینڈ نہیں سیکھی

شاید میں تم سے کبھی نہیں ملا

شاید ہم نے وہ نظمیں نہیں لکھیں
جن کے شور کے باعث
اراکینِ جیوری کا فیصلہ نہیں سنایا جا سکا

شاید ہم وہ تحفے نہیں خرید سکے
جن کے نہ خریدے جانے کی وجہ سے
ہمارے تہوار ملتوی ہوتے رہے

شاید
ہم نے زندگی کو ملتوی کر دیا
اور مارے گئے

ہم ان کتوں کے بھونکنے سے مر گئے
جنھوں نے کبھی ہماری بو نہیں سونگھی

شاید ہمیں
ہر بلٹ
ہر بینٹ
ہر ٹھوکر سے مارا جانا تھا

ہمیں تمام قید خانوں کی
تمام کوٹھڑیوں میں
ایک ایک عمر قید گزارنی تھی

زندگی
اور ہمارے درمیان
فاصلہ کر دیا گیا
اور ہمیں بتایا گیا
ہم اسی فاصلے کے باشندے ہیں

شاید جب ہم سمندر میں تیرتے تھے
یا نارنگیاں توڑتے تھے
یا بنچ پر بیٹھ جاتے تھے
تو ہم زندگی سے جڑے ہوئے تھے

ایک دوسرے کا بہت طویل بوسہ لیتے ہوئے
شاید ہم بہت زیادہ زندہ تھے

شاید تم
بے اندازہ خوبصورت تھیں
اور میں
بے حد بے خوف

ریت کی چار بوریوں کی آڑ
اور ایک چھینی ہوئی تاریخ
ہمیں زندہ رکھنے کے لیے
بہت کم تھی

سمندر نے تم سے کیا کہا

''سمندر نے تم سے کیا کہا؟''
استغاثہ کے وکیل نے تم سے پوچھا
ورتم رونے لگیں

''جناب عالی یہ سوال غیر ضروری ہے''
صفائی کے وکیل نے تمھارے آنسو پونچھتے ہوے کہا

عدالت نے تمھارے وکیل کا اعتراض
اور تمھارے آنسو مسترد کر دیے

آنسو ریکارڈ روم میں چلے گئے
اور تم اپنی کوٹھڑی میں

یہ شہر سطحِ سمندر سے نیچے آباد ہے
یہ عدالتیں شہر کی سطح سے بھی نیچے
اور زیرِ سماعت ملزموں کی کوٹھڑیاں
ان سے بھی نیچے

کوٹھڑی میں کوئی تمھیں ریشم کی ایک ڈور دے جاتا ہے
تم ہر پیشی تک ایک شال بن لیتی ہو
اور عدالت برخاست ہو جانے کے بعد
اسے ادھیڑ دیتی ہو

''یہ ڈور تمھیں کہاں سے ملی؟''
سپرنٹنڈنٹ آف پریزنز تم سے پوچھتا ہے

''یہ ڈور ایک شخص لایا تھا
اپنے پاؤں میں باندھ کر
ایک بلا کو ختم کرنے کے لیے
ایک پرپیچ راستے سے گزرنے کے لیے''

''وہ آدمی اب کہاں ہے؟''
ٹھنڈے پانی میں تمھیں غوطہ دے کر پوچھا جاتا ہے

''وہ آدمی راستہ کھو بیٹھا''
سمندر نے تم سے یہی کہا تھا

ہمیں ہمارے خوابوں میں مار دیا جاتا ہے

ہمیں ہمارے خوابوں میں مار دیا جاتا ہے
پہلے بارش ہوتی ہے
پھر کیچڑ پھیل جاتی ہے
پھر ہمیں مار دیا جاتا ہے

ان اسلحوں سے
جن کا نشانہ
تعزیرات کی کتاب میں
ہمیشہ کے لیے درست بنا دیا گیا ہے

ہم اپنے خواب میں لیمپ روم کی طرف جاتے ہیں
جس میں بیٹھے ہوے چور
اپنے دانتوں سے کتری ہوئی رات کا ٹکڑا
ہمارے آگے پھینک دیتے ہیں
جسے ہم چباتے ہیں
اور جاگ جاتے ہیں

ہمارے خواب ہمیں کہتے ہیں
اس درخت کو پانی دو
اس میں تمھاری رات ہے

ہمارے خواب ہمیں کہتے ہیں
اس سمندر میں اتر جاؤ
اس کی تہہ میں ایک جہاز ڈوب گیا ہے
جس میں تمھاری رات سفر کر رہی تھی

ہماری رات چوری ہوگئی ہے
سیاروں کے کسی اور نظام کے لیے

پھولوں کی نمائش کے دروازے پر کھڑی ہوئی لڑکی پوچھتی ہے:
تمھاری رات کہاں ہے؟
اور بارش ہونے لگتی ہے
سمندر الٹ پلٹ ہو جاتا ہے
اور مجھے کھینچ کر چاند ماری کے میدان کی طرف لے جایا جاتا ہے

بگھی میں جاتی ہوئی لڑکی گردن باہر نکال کر مجھے دیکھتی ہے
اور بارش میں بھیگ جاتی ہے
اگر میرے دونوں ہاتھ
میری پشت پر بندھے ہوئے نہ ہوتے
تو میں اسے الوداع کہتا

کل میں نے خواب میں اس لڑکی کا بوسہ لیا تھا
صرف ایک بوسہ
اور بارش ہونے لگتی ہے

بارش ہونے لگتی ہے
یہاں تک کہ چاند ماری کی آدھی دیوار پانی میں ڈوب جاتی ہے
بھیگی ہوئی رسّی
ہمارے ہاتھوں کو اور سختی سے جکڑ دیتی ہے

ہم بارش میں ننگے پاؤں
اس طرح چلتے ہیں
جیسے زمین ننگے پاؤں چلنے والوں کے لیے بنی ہو

بارش ہو رہی ہے
ہم بھیگ رہے ہیں
اب ہم یہ کپڑے کبھی نہیں بدلیں گے

ہمارے خواب ہمیں کہتے ہیں
تمھارے پاس دوسرا جوڑا تو ہوگا

دوسرے جوڑے کے لیے
اپنے گھر
یا کسی اور کے گھر نقب لگانی ہوگی

اور ہمارے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے ہیں

ہمارے خواب ہمیں کہتے ہیں
تم نے برساتی کیوں نہیں خریدی

اب
جب چاند ماری کی دیوار سامنے نظر آنے لگی ہے
ہمارے خواب ہمیں کہتے ہیں
تم نے برساتی کیوں نہیں خریدی

ہم اپنے خوابوں سے کہتے ہیں
اب بارش بہت تیز ہوگئی ہے
جاؤ
اور جا کر
برساتیوں کی دکان کے سائبان میں سو رہو

برساتی میں ملبوس ایک شخص
بھیگے ہوئے رجسٹر میں میرا نام پکارتا ہے
کوئی مجھے دھکا دے کر آگے کر دیتا ہے

اب مجھے مار دیا جائے گا
اتنی بارش میں
مجھے مار دیا جائے گا

میں اتنی دیر میں کوئی خواب دیکھنا چاہتا ہوں

آتش دان کے پاس بیٹھی ہوئی لڑکی سے
کوئی کہتا ہے
تم نے بگھی کی کھڑکیاں بند رکھی ہوتیں

میں اتنی دیر میں کوئی خواب دیکھنا چاہتا ہوں

کوئی اسے
خوبصورت سی شال میں لپیٹ کر کہتا ہے
تمھیں اتنی بارش میں باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا

بِلس اسٹریٹ میں ایک شام

جب میں گر گیا
اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر
تمھارے سامنے

جب میں گر گیا
ان لوگوں کی پہنچ کے اندر
جنھوں نے
مجھے زخمی کر دیا تھا

جب میں گر گیا
اور کھڑا کیا گیا

کھڑا کیا گیا
اور مار دیا گیا

تالیوں کے شور
اور تمھارے شکریے
کے درمیان

یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں

یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں
کہ میری تلاشی لی گئی
اور میرے دل کو چھین لیا گیا

اور نہ یہ کہ
مجھے باہر نکالنے کے لیے
میرے گھر کو آگ لگا دی گئی

اور نہ یہ کہ
کتے پکڑنے کی قینچی میری کمر میں پھنسا کر
مجھے ٹرک میں ڈال دیا گیا

اور نہ یہ کہ
جلتے ہوئے کوئلے کو
اپنی مٹھی میں چھپا کر میں نے پوچھا:
''میرے ہاتھ میں کیا ہے؟''
اور تم کوئی جواب نہ دے سکیں

اگر انھیں معلوم ہو جائے

وہ زندگی کو ڈراتے ہیں
موت کو رشوت دیتے ہیں
اور اس کی آنکھ پر پٹی باندھ دیتے ہیں

وہ ہمیں تحفے میں خنجر بھیجتے ہیں
اور امید رکھتے ہیں
ہم خود کو ہلاک کر لیں گے

وہ چڑیا گھر میں
شیر کے پنجرے کی جالی کو کمزور رکھتے ہیں
اور جب ہم وہاں سیر کرنے جاتے ہیں
اس دن وہ شیر کا راتب بند کر دیتے ہیں
جب چاند ٹوٹا پھوٹا نہیں ہوتا
وہ ہمیں ایک جزیرے کی سیر کو بلاتے ہیں
جہاں نہ مارے جانے کی ضمانت کا کاغذ
وہ کشتی میں اِدھر اُدھر کر دیتے ہیں

اگر انھیں معلوم ہو جائے
وہ اچھے قاتل نہیں
تو وہ کانپنے لگیں
اور ان کی نوکریاں چھن جائیں

وہ ہمارے مارے جانے کا خواب دیکھتے ہیں
اور تعبیر کی کتابوں کو جلا دیتے ہیں

وہ ہمارے نام کی قبر کھودتے ہیں
اور اس میں لوٹ کا مال چھپا دیتے ہیں

اگر انھیں معلوم بھی ہو جائے
کہ ہمیں کیسے مارا جا سکتا ہے

پھر بھی وہ ہمیں نہیں مار سکتے

میں کچھ نہ کچھ بچ جاتا تھا

مجھے فاقوں سے تقسیم کیا گیا
میں کچھ نہ کچھ بچ گیا

مجھے توہین سے تقسیم کیا گیا
میں کچھ نہ کچھ بچ گیا

مجھے ناانصافی سے تقسیم کیا گیا
میں کچھ نہ کچھ بچ گیا

مجھے موت سے تقسیم کیا گیا
میں پورا پورا تقسیم ہو گیا

ایک دن اور زندہ رہ جانا

بہت دور ایک ساحل پر
اسکریپ سے بنے ہوئے ایک جہاز کا
بوائلر پھٹ جاتا ہے

سیکنڈ انجینئر اسی دن مر جاتا ہے
تھرڈ انجینئر
دوسرے دن

اور میں
فورتھ انجینئر
تیسرے دن مر جاتا ہوں

سیکنڈ ہینڈ جہازوں پر
فرسٹ انجینئر نہیں ہوتے
ورنہ
میں ایک دن اور زندہ رہ جاتا

لاگ بک

لاگ بک میں لکھا ہے
یہ جہاز ڈوب چکا ہے

جہاز ڈوب چکا ہے
اور سمندر زندہ ہے
اور نمکین
اور ان مچھلیوں سے بھرا ہوا ہے
جن کو اس جہاز کے ڈوبنے کا یقین ابھی نہیں آیا

لاگ بک میں جہاز ڈوبنے کے اندراج کے بعد
میرے دستخط ہیں
جن کی سیاہی میرے ہاتھوں میں محفوظ ہے

کیا اسی کا نام موت ہے
کیا یہ کسی اور جہاز کی لاگ بک ہے
کیا میں کسی اور جہاز کا ناخدا ہوں
کیا تمام لاگ بکوں میں یہی لکھ دیا جاتا ہے

''یہ جہاز ڈوب چکا ہے''

مگر یہ جہاز ڈوب چکا ہے
اس پر کوئی مسافر، کوئی ملاح، کوئی سامان نہیں ہے
ایک ڈوبے ہوئے جہاز کو
کسی بندرگاہ پر اتارنے کی ذمے داری
کسی بھی ناخدا پر عائد نہیں ہوتی
میں اس جہاز کو چھوڑ کر کہیں بھی جا سکتا ہوں
اور مرنے سے پہلے
یہ جان سکتا ہوں
کہ سمندر زیادہ سے زیادہ کتنا نمکین ہو سکتا ہے

اگر میں لوٹ کر نہ آسکا

میں اندھے چیتوں
رنگین مچھلیوں
اور تیز بادلوں کو پکڑتا ہوں

اندھے چیتے
کند کدالوں سے کھدے گڑھوں میں
رنگین مچھلیاں
ریشم کی ڈوریوں سے بنے جال میں
اور تیز بادل
مقناطیس سے پکڑے جاتے ہیں

یہ میرا کنواں ہے
یہ میرا تندور ہے
اور یہ میری قبر
ان سب کو میں نے خود کھودا ہے

جسے اپنی زنجیر خود کاٹنی ہوتی ہے

اپنی آری خود اگاتا ہے
مجھے اپنا سمندر خود کاٹنا ہے
میں اپنی کشتی خود حاصل کروں گا

میری کشتی کسی ساحل پہ رنگ ہونے کے بعد سوکھ رہی ہے
کسی غار میں رُکی ہے
کسی درخت میں قید ہے
یا کہیں نہیں ہے

مگر میرے پاس ایک بیج ہے
جس کا نام میرا دل ہے
میرے پاس تھوڑی سی زمین ہے
جس کا نام محبت ہے

میں دل کا درخت بناؤں گا
اور ایک دن
اسے کاٹ کر
ایک کشتی بنا کر نکل جاؤں گا

اگر میں لوٹ کر نہ آ سکا
میری رنگین مچھلیوں کو میرے کنویں میں
میرے اندھے چیتوں کو
میرے تندور میں

اور میرے تیز بادلوں کو
میری قبر میں رکھ دینا

جو میں نے بہت گہری کھودی ہے

میں مار دیا جاؤں گا

افسوس کہ
بہت سا وقت
ان ہاتھوں کو ہموار بنانے میں ضائع ہو گیا
جو ایک دن میرا گلا گھونٹ دیں گے

ژاں ژینے کی بالکنی کے نیچے
موسیقی فروش
اور کباب بھوننے والے
مجھے بتاتے ہیں
مجھے ایک دن یہیں کھڑا کر کے مار دیا جائے گا
میری قبر بے شناخت رہ جائے گی

اسی عمارت کی پہلی منزل پر
دانتے کا جہنم ہے
اور اس سے اگلی منزلوں پر خدا کا
مگر میرے ساتھ ایک دریا ہے
جس کو ابھی سیڑھیوں پر چڑھنا نہیں آتا

مجھے سؤروں کے باڑے میں سُلا دیا گیا
جب کہ جس معاوضے پر
میزبان مجھے اپنی بیوی کے بستر میں سلا دیتا
وہ میری جیب میں موجود تھا

افسوس کہ
میری نیندیں
میری راتوں پر ضائع ہو گئیں
افسوس کہ
میں نے جان ڈن کے گرتے ہوئے ستارے کو پکڑ لیا
افسوس کہ
افسوس کرنے میں بہت سا وقت ضائع ہو گیا
اتنا وقت کہ
اینٹوں سے ایک مکان بنایا جا سکتا تھا
نظموں سے ایک مجموعہ چھاپا جا سکتا تھا
ایک عورت سے ایک بچہ پیدا کیا جا سکتا تھا

افسوس کہ
میرا بچہ
ایک عورت کے بطن میں ضائع ہو گیا
جب کہ مجھے مارا جانا چاہیے تھا
جب کہ

جلد یا بدیر
میں مار دیا جاؤں گا
میں مار دیا جاؤں گا
جیسے کہ تادیوش روزے وچ کی نظموں کے
کرداروں کو مار دیا جاتا ہے

برفانی چڑیوں کا قتل

یہ برفانی چڑیوں کے قتل کی کہانی ہے
مگر میں اسے تمھارے جسم سے شروع کروں گا

تمھارا جسم جنگلی جو تھا
جو فروخت ہو گیا، چرا لیا گیا یا تباہ ہو گیا

پہاڑی بکریوں کی اون اور دیودار کے ریشوں سے بُنا لباس
میں نے
کچے چمڑے کی ڈھال اور تمھاری انگلی میں مقناطیس کی انگوٹھی پر
زندہ رہنے کا حلف اٹھانے کے دن پہنا تھا

پیالہ نما آئینوں میں
مختلف رنگوں کی ریت سے بنی ایک تصویر تھی

''یہ میں ہوں''
تم نے کہا
اور آئینوں سے دھواں نکلنے لگا

تم نے دنیا کی قدیم ترین زبان میں دعا مانگی
جو ایک گیت اور جھوٹ
دونوں طرح سنی گئی
کاش تم نے اپنے جسم کو اس قدر دہکایا نہ ہوتا

خدا کا آگ سے پہلے کا دن
ہمارے وصال کا دن تھا

جلد اُگ آنے والی فصل کٹنے کا زمانہ تھا
ایک اجنبی خدا کی شبیہیں
پانی کو میلا کیے جا رہی تھیں

جب میں ایک خواب سے دست بردار ہوا
اور اپنی زندگی کے ایک حصے کو
پانی میں گھلتے ہوئے دیکھا

قبرستان کا دروازہ
سیندور سے سرخ کر دیا گیا تھا
اور اس کے بعد کا راستہ
ہڈیوں سے بنے مچھلی پکڑنے کے کانٹوں
اور ادنیٰ موتیوں سے بھرا تھا

تمھارے جسم کے سوا میرے پاس کوئی جال نہ تھا
جس سے ڈوبتی ہوئی زندگی کو پکڑ سکتا

میں نے تم سے کہا:
مجھے اپنے بالوں کی دو لٹیں دو
اور میری ماں کو ان سے کمان کی ڈور بٹنے میں مدد

تمھارے انکار کے بعد
میرے مارے جانے کی کہانی ہے

جو میں ٹوکریاں بننے والی لڑکیوں کی پلکوں اور ناخنوں سے شروع کروں گا
جنھیں ایک طویل قحط نے
اپنی ٹوکریوں میں برفانی چڑیوں کو قتل کر دینے پر مجبور کر دیا تھا

جنگل کے پاس ایک عورت تھی

نیند کے پاس ایک رات ہے
میرے پاس ایک کہانی ہے
جنگل کے پاس ایک عورت تھی
عورت بچہ پیدا کرنے کے درد سے مر رہی تھی
ایک شکاری وہاں پہنچ گیا
اور بچے کی آنکھوں کے عوض
عورت کی مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا
عورت نے جڑواں بچے جنے
شکاری کے ہاتھ آنکھوں کی دو جوڑیاں آئیں
اس وقت سکّے ایجاد نہیں ہوے تھے
ایک جوڑی آنکھ کے بدلے زندگی بھر کا سامان خریدا جا سکتا تھا
جو لوگ دوسروں کی آنکھیں حاصل نہیں کر سکتے تھے
اپنی آنکھوں کا سودا کر لیتے
ہر سودے کی طرح
بیچتے وقت آنکھوں کی صرف آدھی قیمت حاصل ہوتی تھی
آنکھیں بیچنے والے صرف آدھی زندگی خرید سکتے تھے

عورت نے شکاری سے جدا ہو کر
اپنے بچوں کو جنگل میں چھوڑ دیا
جیسا کہ اس نے اپنے شوہر کو سمندر میں چھوڑ دیا تھا
بچے بھیڑیوں میں پل کر بڑے ہوے
ان میں سے ہر ایک
دوسرے کو اپنی ماں کی کوکھ کا غاصب
اور اپنی آنکھوں کے سودے کا باعث سمجھنے لگا
جب بیلوں میں پاؤں ٹوٹنے کی بیماری پھیل جانے کی وجہ سے
اندھے غلاموں کی مانگ بڑھ گئی
ایک بردہ فروش انھیں بھیڑیوں کے غول سے چرا لے گیا
زمین میں جتے ہوے اندھے بھائی
ہل لے کر اتنی مخالف سمت میں چلتے
کہ ان کے آقا کو خدا سے درخواست کر کے
ایک کھڑکھڑانے والا سانپ ان کے پیچھے لگانا پڑا

میں بہت پہلے اس شہر کا محاصرہ کرنے آیا تھا
میرے پرچم پر رہنے والا عقاب اڑ گیا
میرے سپاہیوں نے اپنی تلواریں ٹکسالوں میں بیچ دیں
گھوڑے نے اپنی کھال مشکیزہ بنانے والے کو ہدیہ کر دی
شہر کی دیواروں میں شگاف کہاں ہے
یہ اس کے چرواہوں کو بھی معلوم ہے
اور ان کی بھیڑوں کو بھی
مگر میں یہ جنگ

غداروں اور چوپایوں کو خرید کر نہیں جیتنا چاہتا

میں سمندر کو کشتیوں سے
اور تلوار کو تلوار سے ناپتا ہوں
میں غلام عورت کی غلام مرد سے پیدا ہوئی اولاد نہیں
جو ایک غلام شاخ سے کمان
اور دوسری غلام شاخ سے تیر بناتا ہے

میں اس کھڑکھڑانے والے سانپ کو کچل دوں گا
اور جڑواں بھائیوں کے کندھے سے جوا اتار کر
اسے گہری کھائی میں پھینک دوں گا
میں انھیں لے کر جنگل میں نکل آؤں گا
اور اس شکاری کو تلاش کروں گا
جو بچہ پیدا کرنے کے عوض اس کی آنکھیں طلب کرتا ہے
اور اس ماں کو تلاش کروں گا
جو بغیر آنکھوں کے بچے کو چھوڑ کر بھاگ جاتی ہے
ایک دن بیچی ہوئی آنکھیں
شکاری سے سودا کردہ شخص کو پہچان لیں گی
اور اندھے بچے
اس آدمی سے اپنی آنکھیں چھین کر
اپنے شکاری کو ڈھونڈ نکالیں گے
اور شکاری سے اس عورت کا پتا پوچھ کر رہیں گے

میرا دل چاہتا ہے

موت فروخت نہیں ہوتی
یہ خود کو سپرد کر دیتی ہے
زہر کی ایک بوند
اور سیاہ سیڑھیوں کے نیچے

موت کی تلاش میں
ہم ان کے ساتھ بھٹک جاتے ہیں
جن کے پھانسی گھروں میں
ہمارے لیے کوئی گرہ نہیں

ہم موت کو ان شہروں میں ڈھونڈتے ہیں
جہاں لوہے کو زنگ نہیں لگتا

چیتے کے ان پنجوں میں تلاش کرتے ہیں
جو اتار دیے گئے

ہم مرنے کے لیے جگہ خریدتے ہیں

درخت کے سائے میں
ستون کے پاس
یا
کسی بکنے والے دل میں
مگر ہم کسی پل پر دفن نہیں ہو سکتے

موت کسی کا راستہ نہیں روکتی
مجھے نہیں معلوم
قتل گاہ کے دروازے پر مجھے
کیوں روک دیا گیا
مجھے نہیں معلوم
خنجر نیلام کرنے والا
مجھ سے کس طرح پیش آئے گا

میں نے آخری بولی کیوں لگائی
جب کہ میرے پاس
کوئی رقم نہیں

شاید میں موت سے ادھار کر سکتا ہوں
سونے کی ایک سو اینٹیں
یا
آدھی دنیا
شاید میں موت سے کہہ سکتا ہوں

میرا بچہ
جو ایک لڑکی اپنے بطن میں ضائع کر رہی ہے
کسی اور لڑکی میں
منتقل کر دے

مگر
اتنی دیر میں
گزرگاہ کی دوسری طرف
قید کیے ہوئے جانوروں پہ شام آ جاتی ہے

میرا دل چاہتا ہے
میں موت سے بے وفائی کروں

میرا دل چاہتا ہے
تمھیں بتا دوں
میری موت تمھارے اس خواب میں ہے
جو تم نے مجھ سے بیان نہیں کیا

میرا دل چاہتا ہے
تمھارا دیکھا ہوا خواب
تمھارے سامنے دہراؤں
اور
مر جاؤں

ایک تلوار کی داستان

یہ آئینے کا سفرنامہ نہیں
کسی اور رنگ کی کشتی کی کہانی ہے
جس کے ایک ہزار پاؤں تھے

یہ کنویں کا ٹھنڈا پانی نہیں
کسی اور جگہ کے جنگلی چشمے کا بیان ہے
جس میں ایک ہزار مشعلچی
ایک دوسرے کو ڈھونڈ رہے ہوں گے

یہ جوتوں کی ایک نرم جوڑی کا معاملہ نہیں
جس کے تلووں میں ایک جانور کے نر
اور اوپری حصے میں اس کی مادہ کی کھال ہم جفت ہو رہی ہے

یہ ایک اینٹ کا قصہ نہیں
آگ پانی اور مٹی کا فیصلہ ہے

یہ ایک تلوار کی داستان ہے

جس کا دستہ ایک آدمی کا وفادار تھا
اور دھڑ ایک ہزار آدمیوں کے بدن میں اتر جاتا تھا
یہ بستر پر ڈھلی ڈھلائی ایڑیاں رگڑنے کا تذکرہ نہیں
ایک قتل عام کا حلفیہ ہے
جس میں ایک آدمی کی ایک ہزار بار جاں بخشی کی گئی

شاعر کا دل

جہاں محبت کی حدود پر ختم لکھ دیا گیا
وہاں بند دروازے کے اوپر
میں نے پورا چاند دیکھ کر
نئے چاند کے دیکھنے پر مانگی جانے والی دعا مانگ لی

تم نے میرے دل کو زنجیر سے باندھ دیا
اور میں نے بھونکنا شروع کر دیا

اگر تم چاہو
تو اتنی نازک زنجیر سے
ایک ٹوٹی ہوئی شاخ
ایک نشان لگے درخت سے باندھ سکتی ہو
جس کو ٹھیکے دار
اس موسم میں کاٹ لے جائے گا

زنجیر سے بندھے ہوئے دل نے
تمہارے قدموں کو چاٹنا شروع کر دیا

اور تم نے کہا
یہ کتا پاگل ہو گیا ہے
جیسا کہ ایک کہانی میں
ایک اندھے آدمی نے اپنی بینائی پانے کے بعد
اپنے کتے کو دھتکار دیا تھا

اگر تم چاہو
تو میں تمھیں ایک نظم سناؤں
جو میں نے اس وقت پڑھی تھی
جب میں باتیں کیا کرتا تھا
اور نہیں جانتا تھا
میرے دانت پیسنے کی آواز
کتنے دروازے پار کر سکتی ہے

شاعر نے کہا تھا:
''میرا دل ایک شکاری کتا ہے
جسے میں تمھارے کپڑوں کی بو سنگھا رہا ہوں
تم مجھ سے بے وفائی کر کے
ایک اور مرد کے ساتھ بھاگ گئی ہو
میرا دل اس مرد کے تناسل کے اعضا بھنبھوڑ ڈالے گا
اور تمھیں
تمھاری پنڈلیوں میں دانت گاڑ کر
میرے پاس گھسیٹ لائے گا—''

شاعر کا دل شکاری کتا ہوتا ہے
اور زنجیر میں بندھے ہوئے آدمی کا دل
زنجیر میں بندھا ہوا کتا

یہ کتا پاگل ہو گیا ہے
اس نے اپنی زنجیر نگل لی ہے
اور شاید تمھاری انگلیاں بھی
جو لوہے کی طرح سنگدل ہیں
اور اس زنجیر کی طرح بے وفا
جس سے کوئی بھی کتا باندھا جا سکتا ہے

تم نے جانوروں کا علاج کرنے والے کو بلایا
اور اس کی آنکھوں میں مسکرا کر
میری قسمت کا فیصلہ کر دیا

شاید محبت کی حدود پر ختم
تم نے نہیں
کسی اور نے لکھا تھا
جس کا طرزِ تحریر
اس راز کی طرح
میرے دل میں محفوظ ہے
جس پر میں نے پہلی بار
بھونکنا سیکھا تھا—

کیا آگ سب سے اچھی خریدار ہے؟

لکڑی کے بنے ہوئے آدمی
پانی میں نہیں ڈوبتے
اور دیواروں سے ٹانگے جا سکتے ہیں

شاید انھیں یاد ہوتا ہے
کہ آرا کیا ہے
اور درخت کسے کہتے ہیں

ہر درخت میں لکڑی کے آدمی نہیں ہوتے
جس طرح ہر زمین کے ٹکڑے میں کوئی کارآمد چیز نہیں ہوتی

جس درخت میں لکڑی کے آدمی
یا لکڑی کی میز
یا کرسی
یا پلنگ نہیں ہوتا
آرا بنانے والے اسے آگ کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں

آگ سب سے اچھی خریدار ہے
وہ اپنا جسم معاوضے میں دے دیتی ہے
مگر
آگ کے ہاتھ گیلی لکڑی نہیں پہنچنی چاہیے
گیلی لکڑی دھوپ کے ہاتھ پہنچنی چاہیے
چاہے دھوپ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو
لکڑی کے بنے ہوئے آدمی کو دھوپ سے محبت کرنی چاہیے
دھوپ اسے سیدھا کھڑا ہونا سکھاتی ہے

میں جس آرے سے کاٹا گیا
وہ مقناطیس کا تھا
اسے لکڑی کے بنے ہوئے آدمی چلا رہے تھے
یہ آدمی درخت کی شاخوں سے بنائے گئے تھے
جب کہ میں درخت کے تنے سے بنا
میں ہر کمزور آگ کو اپنی طرف کھینچ سکتا تھا
مگر ایک بار
ایک جہنم مجھ سے کھینچ گیا

لکڑی کے بنے ہوئے آدمی
پانی میں بہتے ہوئے
دیواروں پر ٹنگے ہوئے
اور قطاروں میں کھڑے ہوئے اچھے لگتے ہیں
انھیں کسی آگ کو اپنی طرف نہیں کھینچنا چاہیے

آگ
جو یہ بھی نہیں پوچھتی
کہ تم لکڑی کے آدمی ہو
یا میز
یا کرسی
یا دیا سلائی

میں ہار جاتا ہوں

سیاہ لباس
سفید جسم
رنگین ہڈیاں

میں داؤ لگاتا ہوں
گھومتا ہوا طیف رک جاتا ہے
غلط رنگ پر

میں ہار جاتا ہوں
اپنا لباس
اپنا جسم
اپنی ہڈیاں

آزاد ہونے کے لیے
مجھے بوجھنی ہے
تمھاری پہیلی

''سب سے نایاب شکار''
''جو کسی جال میں نہیں آتا — خدا''
''نہیں میرا جسم''
تم آجاتی ہو
اپنے لباس سے باہر
میں ہار جاتا ہوں
اپنا خدا

''سب سے تیز پرندہ''
''تمھاری روح''
''نہیں میرا جسم''
تم اڑ جاتی ہو
بہت تیز
میں ہار جاتا ہوں
اپنی روح

میں ہار جاتا ہوں
سب کچھ
جب کہ گھومتے ہوئے طیف کے ہر خانے میں
ایک ہی رنگ ہے

آگ لگنے کے وقت

ہر رات ایک آدمی
تمھارے بستر اور تمھارے حافظے سے چلا جاتا ہے
جب دروازے پر شور ہوتا ہے
میری تلاش میں
مجھے قتل کرنے کے لیے

گرے ہوے بوسوں کو اٹھا کر
تم اپنے خواب سے باہر چلی جاتی ہو

میں زمین پر چاک سے نشان لگاتا ہوں
تمھارے خواب میں آئے ہوے آدمی کو
اس نشان میں لے جاتا ہوں

جب آدھا دروازہ کٹ چکا ہوتا ہے
تم لوٹ کر آ جاتی ہو
اپنی ایڑی سے
چاک کے نشان

اور خواب میں آئے ہوئے آدمی کو
مٹانے کے لیے

میں آخری منزل پر تھا
جب تمھارے مکان کو آگ لگ گئی

آمین اور الوداع

''خدا ہمارے گھر کو اپنی حفاظت میں رکھے'' والی چینی کی پلیٹ
تم نے دیوار سے لگا دی
اپنی جلد سے ملتے رنگ کے
ہاتھوں سے بنائے ہوئے پھولوں سے اسے گھیر دیا

اپنی ''آمین'' میں نے الماری پر
نہ پڑھی جانے والی نظموں کی ایک کتاب کے نیچے رکھ دی

غیر آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر
ایک خوبصورت تل کو
تمھارے بدن پر گردش دینے لگا

جب میں اسے پاؤں کے انگوٹھے تک لے آیا
ہمیشہ کے برخلاف
تم نے اپنا پاؤں نئے خریدے ہوئے سلیپر میں چھپا دیا

تم نے کہا

''اب تمھیں چلا جانا چاہیے''

''اس میں کھلتے ہوئے رنگ
سیدھے ہاتھ کی طرف زیادہ روشن ہیں
(ڈچ مصوری میں ایسا کم ہوتا ہے)—''
دروازے کے قریب لگی ہوئی تصویر کو دیکھ کر میں نے کہا

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتی یہ کس نے بنائی ہے''

''شاید جان ڈی برے ہے، ریمبراں کا ہم عصر
یہ اس کی بیوی کا ایک مطالعہ ہے
یا ہو سکتا ہے ریمبراں کی کوئی شاگرد—''

''اب تمھیں چلا جانا چاہیے'' تم نے کہا

میرے جاتے ہی
تل تمھارے دل سے ذرا اوپر
تم شوہر کے کمرے میں
گھر خدا کی حفاظت میں چلا گیا

ایک پاگل کتے کا نوحہ

ایک مزدور کی حیثیت سے
میں نے زہر کی ایک بوری
اسٹیشن سے گودام تک اٹھائی
میری پیٹھ ہمیشہ کے لیے نیلی ہوگئی

ایک شریف آدمی کی حیثیت سے
میں نے اپنی پیٹھ کو سفید رنگوالیا

ایک کسان کی حیثیت سے
میں نے ایک ایکڑ زمین جوتی
میری پیٹھ ہمیشہ کے لیے ٹیڑھی ہوگئی

ایک شریف آدمی کی حیثیت سے
میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی نکلوا کر
اپنی پیٹھ سیدھی کروالی

ایک استاد کی حیثیت سے

مجھے کھریا مٹی سے بنایا گیا

ایک شریف آدمی کی حیثیت سے
بلیک بورڈ سے

ایک گورکن کی حیثیت سے
مجھے ایک لاش سے بنایا گیا
ایک شریف آدمی کی حیثیت سے
مرحوم کی روح سے

ایک شاعر کی حیثیت سے
میں نے ایک پاگل کتے کا نوحہ لکھا

ایک شریف آدمی کی حیثیت سے
اسے پڑھ کر مر گیا

کون شاعر رہ سکتا ہے

لفظ اپنی جگہ سے آگے نکل جاتے ہیں
اور زندگی کا نظام توڑ دیتے ہیں

اپنے جیسے لفظوں کا گٹھ بنا لیتے ہیں
اور ٹوٹ جاتے ہیں
اُن کے ٹوٹے ہوئے کناروں پر
نظمیں مرنے لگتی ہیں
لفظ اپنی ساخت اور تقدیر میں
کمزور ہو جاتے ہیں
معمولی شکست ان کو ختم کر دیتی ہے
ان میں
ٹوٹ کر جڑ جانے سے محبت نہیں رہ جاتی
ان لفظوں سے
بدصورت اور بے ترتیب نظمیں بننے لگتی ہیں

سفاکی سے کاٹ دیے جانے کے بعد
ان کی جگہ لینے کو

ایک اور کھیپ آ جاتی ہے

نظموں کو مر جانے سے بچانے کے لیے
ہر روز ان لفظوں کو جدا کرنا پڑتا ہے
اور ان جیسے لفظوں کے حملے سے پہلے
نئے لفظ پہنچانے پڑتے ہیں

جو ایسا کر سکتا ہے
شاعر رہ سکتا ہے

فیصلہ

ریڈیولوجسٹ ان ایکسروں کو پڑھ رہی ہے
جن پر میری گزشتہ نظم کی تاریخ پڑی ہے

ان لوگوں کے زخم
اتنی تاخیر
اتنی سفاکی سے پڑھے جا رہے ہیں
جو ابھی تک زندہ رہنے کا امتحان دینے میں مصروف ہیں

''آدمی اپنی غلطی سے مرتا ہے''
یہ سرجن جنرل کا فیصلہ ہے

''تم سے غلطی ہوئی ہے''
شام کو جب میں اسے بتاؤں گا
میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں
تو وہ یہ کہے گی

روشنی

ہمارے شہر میں
مصروف سڑک کے کنارے
لڑکیاں پرانی بریزیئرز خرید رہی ہیں

وہ آپس میں آنکھیں نہیں ملاتیں
ڈھیر میں ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو چھو جاتے ہیں

کسی ہک میں پھنس کر
وہ دور تک کھنچتی ہوئی چلی جاتی ہیں

ہر استعمال کی ہوئی شے میں
ایک کہانی
خریدنے والے کو مفت ملتی ہے

سڑک پر پڑی بریزیئرز کے ڈھیر میں
وہ جسم ہیں
جو پراسرار ہونا ختم کر چکے

اور
ایک روشنی

فوری طور پر جاری کی ہوئی ایک یادداشت

مس یاسمین سلطانہ
مندرجہ بالا کے پیش نظر آپ کو مطلع کرتے ہیں
آپ زائد ہوگئی ہیں

۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۳ء تک
آپ کی کیمسٹری اتنی رنگین نہیں رہ گئی

دوہرے فرائض کے انجام دینے کے لیے
کل وقتی اور مستند کی ضرورت ہے

آپ کے مندرجہ ذیل مخلص محسوس کرتے ہیں
آپ کی رفتار
ہماری روشنی کی رفتار سے
تیز یا
کم رہ گئی ہے

آپ کے واجبات (اگر کوئی ہوں)

آپ کے پتے (اگر کوئی ہو)
پر روانہ کر دیے جائیں گے

آپ کی خدمات کی مزید ضرورت نہیں رہی
مس یاسمین سلطانہ
اب ون ایکٹ پلے ختم
اور کمپنی ایکٹ شروع ہوتا ہے
الوداع

نظم

جو باتیں میں اس سے کہنا چاہتا ہوں
وہ کہتی ہے
اپنی نظم سے کہہ دو
میری نظم
اس کا انتظار کر سکتی ہے
اسے چوم سکتی ہے
اور اگر وہ تنہا ہو
تو اس کے ساتھ چل سکتی ہے

مجھے اپنی نظم پر غصہ آتا ہے
وہ اس کے پاس چلی جاتی ہے
اسے وہ
اچھا یا برا کہہ سکتی ہے
میز پر چھوڑ سکتی ہے
یا پرس میں ڈال کر لے جا سکتی ہے

مجھے اپنی نظم پر غصہ آتا ہے

جب وہ اس کے پاس چلی جاتی ہے

جب میں شاعری کرنا چاہتا ہوں
اپنے پسندیدہ موسم کے شروع ہونے پر
یا اس لڑکی پر
جسے سائیکیاٹرسٹ نے برقی صدمے کی مقدار زیادہ دے دی
اور وہ مجھے بھول گئی

میں نظم لکھ کر سمندر میں بہا دیتا ہوں
اور وہ اس کے پاس پہنچ جاتی ہے
ہوا میں بکھیر دیتا ہوں
اور وہ اس کے پاس پہنچ جاتی ہے
آتش دان میں ڈال دیتا ہوں
اور وہ اس کے پاس پہنچ جاتی ہے

وہ میری نظم کا انتظار کرتی ہے
اسے چومتی ہے
اس کے ساتھ چلتی ہے

اور میرے پاس سے گزر جاتی ہے

میں ڈرتا ہوں

میں ڈرتا ہوں
اپنے پاس کی چیزوں کو
چھو کر شاعری بنا دینے سے

روٹی کو میں نے چھوا
اور بھوک شاعری بن گئی

انگلی چاقو سے کٹ گئی
اور خون شاعری بن گیا

گلاس ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا
اور بہت سی نظمیں بن گئیں

میں ڈرتا ہوں
اپنے سے تھوڑی دور کی چیزوں کو
دیکھ کر شاعری بنا دینے سے

درخت کو میں نے دیکھا
اور چھاؤں شاعری بن گئی

چھت سے میں نے جھانکا
اور سیڑھیاں شاعری بن گئیں

عبادت خانے پر میں نے نگاہ ڈالی
اور خدا شاعری بن گیا

میں ڈرتا ہوں
اپنے سے دور کی چیزوں کو
سوچ کر شاعری بنا دینے سے

میں ڈرتا ہوں
تمھیں سوچ کر
دیکھ کر
چھو کر
شاعری بنا دینے سے

مجھے وہ سفید پھول پسند نہیں

مجھے وہ سفید پھول پسند نہیں
جنھیں تم چوم کر سرخ نہ کر سکو

آسمان میں ٹوٹتا ہوا ستارہ
یا سمندر میں ڈوبتی ہوئی کشتی
مجھے کس کے ساتھ چلنا چاہیے
تمھاری آنکھیں
اور تمھارا دل
مجھے کچھ نہیں بتاتا

تم نے شہر کے شور
اور میرے دل کی خاموشی کو ملا کر
اپنی موسیقی کیوں بنائی

تم نے آگ پر
اپنا نام لکھنے کی کوشش کیوں کی
جب تمھاری انگلیاں ہیرے کی نہیں

جب آگ لگ جاتی ہے
تو پتا چلتا ہے
بارش کتنی اجنبی ہے
اور سمندر کتنی دور
اور یہ خواب دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے
کہ بہت دور
ہمارے گھر کے پاس
برف باری ہو رہی ہو گی

مجھے وہ خواب پسند نہیں
جو کروٹ بدلنے میں ٹوٹ جاتے ہیں

مجھے وہ برف پسند نہیں
جسے ہم ننگے پاؤں ناچتے ناچتے
سرخ نہ کر سکیں

سرخ پتوں کا ایک درخت

نہیں دیکھا ہوگا تم نے اپنے آپ کو چھت سے لگے ہوئے آئینے میں
سرخ پتوں سے بھرے ایک درخت کے نیچے

نہیں بڑھائی ہوں گی تم نے اپنی انگلیاں
درخت سے پتے اور اپنے بدن سے لباس اتارنے کے لیے

''آدمی درخت سے زیادہ خوبصورت ہے''
نہیں کہا ہوگا کسی نے تمھیں چوم کر
درخت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد

نہیں اٹھایا ہوگا تم نے لکڑی کا گٹھر
نہیں جانا ہوگا تم نے کٹی ہوئی شاخ میں پانی کا وزن

''آگ درخت سے زیادہ خوبصورت ہے''
نہیں کہا ہوگا کسی نے الاؤ کے قریب تمھیں اپنے سینے سے لگا کر

نہیں دیا ہوگا تمھیں کسی نے اپنا دل
سرخ پتوں کا ایک درخت

محبت

محبت کوئی نمایاں نشان نہیں
جس سے لاش کی شناخت میں آسانی ہو

جب تک تم محبت کو دریافت کر سکو
وہ وین روانہ ہو چکی ہو گی
جوان لاشوں کو لے جاتی ہے
جن پر کسی کا دعویٰ نہیں

شاید وہ راستے میں
تمھاری سواری کے برابر سے گزری ہو
یا شاید تم اس راستے سے نہیں آئیں
جس سے
محبت میں مارے جانے والے لے جائے جاتے ہیں

شاید وہ وقت
جس میں محبت کو دریافت کیا جا سکتا
تم نے کسی جبری مشق کو دے دیا

پتھر کی سل پر لٹایا ہوا وقت
اور انتظار کی آخری حد تک کھنچی ہوئی
سفید چادر
تمھاری مشق ختم ہونے سے پہلے تبدیل ہو گئے

شاید تمھارے پاس
اتفاقیہ رخصت کے لیے کوئی دن
اور محبت کی شناخت کے لیے
کوئی خواب نہیں تھا

اس وقت تک جب تم
محبت کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ سکتیں
وہ وین روانہ ہو چکی ہو گی
جو ان خوابوں کو لے جاتی ہے
جن پر کسی کا دعویٰ نہیں

ہم کسی سے پوچھے بغیر زندہ رہتے ہیں

خنجر کے پھل پر
ایک طرف تمھارا نام لکھا ہے
اور دوسری طرف میرا

جنھیں پڑھنا آتا ہے
ہمیں بتاتے ہیں
ہمیں قتل کردیا جائے گا

جو درخت اگاتا ہے
ہمیں ایک سیب دے دیتا ہے
ہم خنجر سے سیب کے
دو ٹکڑے کردیتے ہیں

ہم کسی سے پوچھے بغیر زندہ رہتے ہیں
اور کسی کو بتائے بغیر
محبت کرتے ہیں

میں نے گنتی سیکھی
اور یاد رکھا
تم تک پہنچنے کے لیے مجھے
کتنی سیڑھیاں طے کرنی پڑتی ہیں

ایک دن تم یہ ساری سیڑھیاں
نظموں کی کتاب میں رکھ کر
مجھے دے دوگی

ایک دن میں تمھیں بتاؤں گا
"سمندر وہاں سے شروع ہوتا ہے
جہاں سے خشکی نظر آنی ختم ہو جائے"

پھر ہم جب چاہیں گے
نظموں کی کتاب سے
ایک ورق پھاڑ کر کشتی بنا لیں گی
اور
دوسرا ورق پھاڑ کر
سمندر

پھر ہم جب چاہیں گے
زمین کی گردش روک کر
رقص کرنے لگیں گے

ناچتے ہوئے آدمی کے دل کا نشانہ
مشکل سے لیا جاسکتا ہے

گھاس سے ہریالی کاٹنے کے بعد

گھاس سے ہریالی کاٹنے کے بعد
میں سفید پھولوں سے ہاتھ تاپ رہا تھا
اور تم
بہار کے ساتھ درختوں کو سجا رہی تھیں

ہلکے سبز پتے
تمھیں دیکھ کر گہرے سبز ہو گئے
درخت اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑے ہو گئے
شاخیں محبتیں ناپنے کو باہیں پھیلانے لگیں
جڑیں جو تمھیں دیکھ نہ سکیں
چپ چاپ تمھیں چاہتی تھیں
درختوں کے اوپر پرندے تمھیں چاہتے تھے
ان کے اوپر سائے تمھیں چاہتے تھے
ان کے اوپر بادل
اور ان کے اوپر دھوپ تمھیں چاہتی تھی
اور ان سب کی ان داتا ہوا تمھیں چاہتی تھی

میں خوابوں سے شطرنج کھیلتے ہوئے
جب ستاروں اور پھولوں کے صحیح نام نہ لے پاتا
تو تم اداس ہو جاتیں
میں موم بتی سے ہاتھ جلا لیتا
اور تم
اس پر کنول کے پھولوں کے بوسے رکھ دیتیں
اور سفید لباس میں دریچے سے لگ کر
میرے اور اجنبی کے لیے گیت گاتیں

میرے اور اجنبی کے لیے
آئینے میں قید پرچھائیوں کو عام معافی دے دیتیں

میں نے اپنی کشتیاں تمھاری آنکھوں کے ساحل پر جلا ڈالیں

چاند کے سکے پر
ایک جانب تمھارا چہرہ ہے
اور دوسری جانب مٹے ہوئے حروف

پہاڑیوں پر
ایک جانب تمھارے نام کی گونج ہے
اور دوسری جانب خاموشی
چاند اگر تانبے کا ہوتا
تو اسے اس رات زنگ لگ جاتا

جب میں موجوں کو الوداع کہنے آیا تھا
اور مجھے رخصت کرنے
تصویروں میں بنی ہوئی لڑکیاں
گیتوں میں گائی ہوئی عورتیں
لوریوں سے روٹھے ہوئے بچے
اور خوابوں میں چلے ہوئے جوان
سمندر سے ابھرا ابھر کر آنے لگے
اور اتنی جگہ نہ رہی
کہ ڈوبی ہوئی آوازیں
مجھے الوداع کہنے اوپر آسکیں

میں نے سمندر سے اس دریا کو الگ کرنا چاہا
جو میری بانہوں میں بہتا تھا
تو مجھے الوداع کہنے والے روٹھ کر چلے گئے
اور ڈوبی ہوئی آوازوں میں مجھے دیکھنے کا شوق ختم ہو گیا

میں نے وحشی بگولوں کی سرزمین میں
دہکتے ہوئے فرش پر
بگولوں سے جنگ کی اور ہوا کو آزاد کرایا
ہوا میرے ساتھ چلنا چاہتی تھی
مگر میرے پاؤں کوئلہ ہو چکے تھے

ہوا نے مجھے اٹھانا چاہا

مگر میں بوجھل ہو چکا تھا

ہوا مجھے گھسیٹتے ہوئے لے چلی
مگر دو پہروں کی دلدل میں
میں اور ہوا
دونوں الجھ گئے
اور شام تک پور پور ڈوبتے رہے

جب رات کو دلدل سردی سے اکڑ کر مرنے لگی
تو اس نے ہم دونوں کو اُگل دیا

میں دلدل کے کنارے سو گیا
اور ہوا مجھے سوتا چھوڑ کر چلی گئی

جب دن بھر اور رات بھر بارش ہوئی
جب میرے پاؤں سبز ہو گئے
اور آنکھیں شفاف
تو میں واپسی کی کسوٹی پر اپنے سفر کو رگڑنے لگا

راستے میں
جہاں پچھلے سال آسمان سے ستاروں کے بیج گرے تھے
وہاں روشنی کے درخت اگ آئے تھے
جہاں تتلی کے پر بوئے گئے تھے

وہاں پھول
جہاں مٹی بوئی گئی تھی
وہاں لوگ
جہاں آنسو
وہاں سیلاب

جتنی دیر میں ایک روٹی پکے گی

جتنی دیر میں ایک روٹی پکے گی
میں تمھارے لیے ایک گیت لکھ چکا ہوں گا
جتنی دیر میں ایک مشکیزہ بھرے گا
تم اسے یاد کر کے گا چکی ہو گی

اجنبی تم گیت کاہے سے لکھتے ہو
نمک سے
روٹی کاہے سے کھاتے ہو
نمک سے
مشکیزہ کاہے سے بھرتے ہو
نمک سے

لڑکی تم گیت کاہے سے گاتی ہو
پانی سے
روٹی کاہے سے کھاتی ہو
پانی سے
مشکیزہ کاہے سے بھرتی ہو

پانی سے
پانی اور نمک مل کر کیا بنتا ہے
سمندر بنتا ہے

جتنی دیر میں میرے گھوڑے کی نعل ٹھک جائے گی
ہم سمندر سے ایک لہر توڑ چکے ہوں گے
جتنی دیر میں گھنٹی کی آواز پر قلعی ہو چکی ہو گی
ہم ایک جنگلی کشتی کو سدھا چکے ہوں گے

اجنبی تم گھوڑے کی نعل کاہے سے ٹھونکتے ہو
ٹوٹے ہوئے چاند سے میری جان
تم گھنٹی کی آواز کاہے سے قلعی کرتے ہو
ٹوٹے ہوئے چاند سے میری جان
تم مجھے کاہے سے تشبیہ دو گے
ٹوٹے ہوئے چاند سے میری جان

لڑکی تم سمندر سے لہر کاہے سے توڑتی ہو
تمھاری تلوار سے میری جان
تم جنگلی کشتیوں کو کاہے سے سدھاتی ہو
تمھاری تلوار سے میری جان
تم مجھے کاہے سے زیادہ پسند کرتی ہو
تمھاری تلوار سے میری جان

جتنی دیر میں یہ سمندر طے ہوگا
میں اور تم بچھڑ چکے ہوں گے
جتنی دیر میں تم مجھے بھول چکی ہوگی
میں مر چکا ہوں گا

اجنبی تم سمندر کاہے سے طے کرو گے
اپنی ضد سے
میں تمھیں کاہے سے بھول چکی ہوں گی
اپنی ضد سے
اجنبی تم کاہے سے مر چکے ہو گے
اپنی ضد سے
اپنی ضد سے

لڑکی ہم کاہے سے بچھڑ چکے ہوں گے
مجھے نہیں معلوم
میں کاہے سے مر چکا ہوں گا
مجھے نہیں معلوم
روٹی کتنی دیر میں پک چکی ہوگی
مجھے نہیں معلوم

بادشاہ کا خواب

بادشاہ نے ایک خواب دیکھا
اس نے وہ خواب
اپنے وزیر کو سنایا
وزیر نے خواب کو اپنے استعفے میں لکھا
اور روپوش ہو گیا

بادشاہ نے وہ خواب
اپنے سپہ سالار کو سنایا
سپہ سالار نے خواب کو اپنی تلوار پر لکھا
اور ایک لاکھ آدمیوں کو قتل کر دیا

بادشاہ نے وہ خواب
شاہزادی کو سنایا
شاہزادی نے خواب کو اپنے جسم پر لکھا
اور بازار میں بیٹھ گئی

بادشاہ نے وہ خواب

مذہبی پیشوا کو سنایا
پیشوا نے وہ خواب مقدس کتاب میں لکھ دیا
اور اعتکاف میں چلا گیا

خواب کی کوئی تعبیر نہ پا کر
بادشاہ نے خواب کو قید کروا دیا

خواب کی تعبیر
خواب کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھی
اسے تلوار کے ایک وار کے ذریعے خواب سے جدا کر دیا گیا تھا
خواب بادشاہ کے پاس چلا گیا
اور تعبیر ایک فقیر کے پاس

فقیر نے تعبیر کو اپنے کشکول پر لکھ دیا
اور ایک دن جب اس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا
کشکول نگل کر مر گیا

تعبیر ایک کسان کے پاس چلی گئی
کسان نے تعبیر کو اپنے ہل پر لکھ دیا
اور ایک دن جب اس کے پاس بونے کو کوئی بیج نہیں رہا
اس نے ہل کو زمین میں بو دیا

تعبیر ایک جنازے کے پاس چلی گئی

اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی
چونکہ مرنے والے کی قبر کو کوئی کتبہ میسر نہیں ہوا تھا
تعبیر قبر کے سرہانے کھڑی ہوگئی

ایک دن
قبرستان کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک سپاہی نے
تعبیر کو مشکوک حالت میں دیکھ کر
گرفتار کرلیا

بندی خانے میں
خواب اور تعبیر
دونوں ایک ہی زنجیر سے جکڑ دیے گئے

اور اسی وقت
بادشاہ مر گیا

نو جو بنا

''اس آرزو پہ کہ اس اندھے اور گہرے کنویں سے جس کا نام دنیا ہے، باہر نکل جاؤں،'' میں نے نو جو بنا کا ہاتھ تھاما اور ایک سفر پر روانہ ہو گیا، اگر چہ مجھ میں اور نو جو بنا میں آب و ہوا کا بہت اختلاف تھا۔ میں نے ننگے پاؤں کے سوا دوسرا قدم نہیں رکھا تھا، ننگی زمین کے سوا کہیں اور نہیں سویا تھا اور ننگی تلوار کے سوا کسی کو نہیں چھوا تھا، مگر نو جو بنا کو راستے کی زیادہ تمیز تھی اور میں جانتا تھا کہ الہام کبھی کبھی جانوروں پہ بھی طاری ہو جاتا ہے۔

نو جو بنا جانتی تھی کہ میں پاؤں رکاب کے سہارے رکھ کر گھوڑے پر سوار نہیں ہوتا تھا اور کسی کے حمام میں نہیں نہاتا تھا، اور جب میں نیند میں ہو جاتا تو نو جو بنا میرے سرہانے سے تلوار اٹھا لے جا سکتی تھی اور شہد کے چھتے سے ایک مثقال شہد کاٹ کر لا سکتی تھی۔ بہت سے شمشیر باز اپنی تلواروں میں زہر بجھا رکھتے ہیں، مگر نو جو بنا جانتی تھی کہ میری تلوار میں کوئی زہر نہیں تھا۔

نو جو بنا نے کبھی یہ نہ جانا ہو گا کہ میں کون ہوں اور اگر میں مر گیا ہوتا تو وہ میری تلاش میں پاتال تک بھی نہ جاتی، اس لیے جب مجھے میری موت بہت شدت سے یاد آ رہی ہوتی، وہ میرے لیے گل فروش سے کوئی سرخ سا پھول نہیں لا سکی۔ نو جو بنا تو یہ بھی نہیں جان سکی کہ مجھے کسی درخت نے جنم نہیں دیا تھا اور نہ میری ماں مجھے پیدا کر کے لکڑی کی ہو گئی تھی۔

اپنے وطن میں نو جو بنا مجھے سب سے پہلے اس آگ کے پاس لے گئی جو آتش کدوں میں جلائی جاتی ہے اور اس آگ کے پاس بھی جو روزمرہ کے کام آتی ہے۔ پھر نو جو بنا نے کہا، بادشاہ میری آمد پر میرا منتظر ہے۔ چلو کہ میں تمھیں دربار لے چلوں کہ اجنبی کو بادشاہ کی خوشنودی کے بغیر اقامت

نہیں ملتی۔ نوجوبنا کے بادشاہ نے مجھے دیکھ کر میرے ملک کے سفیر کو بلوایا اور اسے بے قصور میرے سامنے قتل کر دیا اور کہا، دیکھو میں یوں حکومت کرتا ہوں اور جان لو کہ آدھی نوجوبنا میری ہے اور آدھی تمھاری۔ نوجوبنا نے بادشاہ سے کہا، میرے مرد کا مزاج بہت تیز ہے، جو شخص یہ کہے گا کہ آدھی نوجوبنا میری ہے یہ اس کا سر قلم کر دے گا۔ بادشاہ حیلہ سازی سے کہنے لگا، میں تو اسے آزمارہا تھا، اگر تو کہے تو اسے منصب سے نوازدوں اور جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دے دوں۔ نوجوبنا نے کہا، مگر اسے دریا کے پار نہ بھیجنا، ورنہ یہ کشتیاں جلا ڈالے گا اور پل توڑ دے گا اور جو سپاہی آپ کو وصیت میں ملے ہیں انھیں برگشتہ کر دے گا۔ میں نے نوجوبنا سے کہا، تیرے بادشاہ کی سیر ہو چکی، اب کہیں اور لے چل۔

راستے میں نوجوبنا مجھ سے پوچھنے لگی، اگر تم میرے بادشاہ کی خدمت نہ کرنا بھی چاہو تو اختیار رکھتے ہو، اور فکر اپنے معاش کی بالکل نہ کرنا کہ میری یافت تمھاری پرورش کو بہت ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، میرے پاس ایک تلوار ہے جس کو میں کہیں سے ٹوٹا ہوا نہیں پاتا۔ تو گھر جا، شام تک میں اپنی روزی کا سبب نکالتا ہوں۔ نوجوبنا کہنے لگی، میرے ملک میں اجنبیوں کو روزگار نہیں دیتے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، تمھارے ملک میں میں صرف تمھارے لیے اجنبی نہیں ہوں، کیا مجھے یہاں صرف تمھاری ملازمت کرنی پڑے گی۔ نوجوبنا نے کہا، اگر تم اپنی اور میری یافت میں تمیز رکھتے ہو، تو ابھی تک میں بھی اجنبی ہوں اور تم میری ملازمت بھی نہیں کر سکتے، مگر تمھیں روزی کی آرزومندی کیوں ہے۔ ستی، کیا کسی مرد کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ بھی دیکھے کہ اس کی مخاطبہ سپردگی کے کس عالم میں ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، میں تمھارا تمام حق ادا کروں گا، مگر مجھ پر تلوار کا بھی حق ہے، مبادا کہ اپنی حاصل کی ہوئی روزی نہ کھانے سے اسے کند کر بیٹھوں۔ نوجوبنا نے کہا، تم اتنے فکرمند ہو کہ مجھے تمھارے بست و بند پر توجہ دینی چاہیے۔

نوجوبنا مجھے ایک حویلی کے پاس لے گئی اور کہنے لگی، جب تک میں باہر نہ نکلوں تم گھر مت لوٹنا۔ کئی پہر بعد نوجوبنا باہر آئی اور کہنے لگی، مبارک ہو تمھیں روزگار مل گیا۔ میں نے کہا، نوجوبنا، مجھے کیا کرنا ہے اور میرا آقا کون ہے۔ نوجوبنا نے کہا، تمھیں اس حویلی کے مالک نے ایک معقول درماہے پر خرید لیا ہے، جس دن تمھارا آقا توبہ کا اظہار عام کرے گا اس دن تمھیں صدقے میں قربان

کر دیا جائے گا۔ میں نے نوجوبنا سے پوچھا، کیا میں اپنے آقا کو دیکھ سکتا ہوں۔ نوجوبنا نے کہا، نہیں، اور چلو اب گھر چلتے ہیں۔ راستے بھر میں نوجوبنا سے یہ پوچھتے پوچھتے رک گیا کہ کہیں وہی میری آقا تو نہیں۔

نوجوبنا اور مجھ میں اختلاف اسی دن سے قائم ہو گیا تھا جس دن تلوار ایجاد ہوئی۔ میں وہ سپاہی نہ تھا جو مالِ غنیمت لے کر خوش ہو جاتا ہے؛ سچ تو یہ ہے کہ میں نے کبھی جنگ میں کچھ نہیں لوٹا اور اس سے باہر بھی نہیں، میں ہمیشہ قلبِ لشکر میں لڑا جہاں سپہ سالار لڑا کرتے ہیں۔ ایک دن نوجوبنا نے مجھ سے پوچھا، تیرا اصل نام کیا ہے۔ میں نے کہا، جب میں مر جاؤں گا تو تلوار کے لیے ایک دوسرا لفظ وضع کرنا پڑے گا۔ نوجوبنا نے کہا، تم تو کب کے مر چکے ہو، تلوار میرے ساتھ اتنا عرصہ کیسے زندہ رہ سکتی ہے۔ میں نے کہا، نہیں نوجوبنا، تلوار ابھی برجوگ میں نہیں آئی اور نہ میں نے ابھی اپنے آپ کو اتنا کمزور پایا کہ یہ نہ پوچھ سکوں کہ تمھاری ثابت انگلی میں ایک نئی انگوٹھی کہاں سے آ گئی۔ نوجوبنا نے کہا، انگلی میری ہے اور میں اس پر جون سی چاہوں گرہ لگا لوں۔ میں نے کہا، کیا تم بھی ان میں سے ہو جو ڈوریوں پر گرہیں لگا کر جادو کیا کرتی ہیں۔ نوجوبنا نے کہا، ہاں میں وہ ساحرہ ہوں جو اپنے محبوب کے چابک میں گرہیں لگا دیتی ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا عیدِ وصال پہ میں تجھے مچھلی پکڑنے کا جال تحفے میں دوں گا کیونکہ روح ایک انگلی میں بھی اٹک سکتی ہے۔ نوجوبنا نے کہا، اگر تم اس طرح کی گفتگو نہ کرو تو میں آج تمھیں وصال کے ایک شدید خوبصورت انکشاف سے گزار دوں۔ میں نے کہا، نوجوبنا، صلہ فروش نہ بنو۔

نوجوبنا نے فتیلہ سوز کو منحوس جان کر بجھا دیا اور مجھ سے چاہا کہ بجھے ہوئے فتیلہ سوز کو اور زیادہ بجھا دوں۔ میں نے کہا، رات اب اس سے زیادہ تاریک نہیں ہو سکتی۔ نوجوبنا نے کہا، تم کیسے مرد ہو کہ صبح کو درگزر نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا، میرا باپ زندہ ہوتا تو کبھی صبح سے دست بردار نہ ہوتا، اور اگر تمھارا دل مجھ سے بھر گیا ہے تو میں اس فتیلہ سوز کو جلا دوں کہ روشنی میرے اعتبار کے لیے ضروری ہو گئی ہے۔ نوجوبنا نے کہا، تم کیسے مرد ہو کہ اپنی عورت سے زیادہ فتیلہ سوز کی روشنی پر اعتبار کرتے ہو۔ میں نے کہا، میں ہر جلتی ہوئی چیز پر اعتبار کرتا ہوں اور اس آگ پر بھی جس میں تو جل رہی ہے۔ نوجوبنا

نے کہا، میں تو کسی آگ میں نہیں جل رہی ہوں۔ میں نے کہا، مگر میں تو تمھیں چھو کر جل جاتا ہوں۔ نوجوبنا نے کہا، یہ عجب آگ ہے جو مجھے لگتی ہے اور تمھیں خاک کر رہی ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، ابھی تم نے آگ کے متعلق جانا ہی کیا ہے، مگر جب یہ آگ تمھیں جلانے لگے گی تو میں اسے اپنی تلوار سے کاٹ دوں گا، مگر اب میں اتنی نیند میں ڈوبی ہوئی نوجوبنا سے شب بخیر بھی نہ کہہ سکوں گا، سو اب سو جاؤ۔

صبح نوجوبنا اٹھ کر اپنے بال سنوار رہی تھی اور کہہ رہی تھی، دیکھو آئینے کی وارث تو میں ہوں، کہ ایک عکس نے اس سے بیعت توڑ لی، جسے منانے کے لیے نوجوبنا کو آئینے کے سامنے کپڑے بدلنے تھے۔ اس نے اس خواہش کا اظہار عام کیا اور مجھ سے کہا، جو مچھلیاں آج خریدی گئی ہیں، ان میں سے جو نر ہوں انھیں دریا میں پھینک آؤ کیونکہ میں کپڑے بدل رہی ہوں، مبادا نگاہ غیر سے میرا جسم آلودہ ہو جائے۔ میں نے کہا، جان، یہ مچھلیاں پہلے ہی دم توڑ چکی ہیں اور تمھارا جسم ایسا دریا نہیں کہ مردہ مچھلیوں میں جان ڈال دے۔ نوجوبنا نے کہا، کاش تم ماہی گیر ہوتے تو دریا اور مچھلی کا حال جانتے، اے لڑن ہارے، جا اور نر مچھلیوں کو دفان کر۔ میں نے نوجوبنا سے نر اور مادہ مچھلیوں کی پہچان پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور تمام مچھلیاں اٹھا کر دریا کی طرف چلا گیا۔

دریا سے لوٹ کر میں نوجوبنا کا انتظار کرتا رہا۔ جب نوجوبنا لوٹ کر آئی تو کہنے لگی بادشاہ نے اسے سفارت پر مامور کیا ہے اور وہ ایک اہم پیغام لے کر جا رہی ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، آج مشاطہ نے تجھے کیا خوب سنوارا ہے اور کاجل نے تیری آنکھوں کو کیا خوب قیامت خراب کیا ہے، تو نے ضرور آج مست کر دینے والی موسیقی سنی ہے جو اتنی کیفیت میں نظر آ رہی ہے، سفارت تو دو ٹکے کا کام ہے، تیرے بادشاہ کے پاس آدمیوں کی کیا کمی ہے، آج اگر تیرا جی چاہے تو رات بھی پورے چاند کی ہے، میں تجھے پری باغ لے چلوں اور پھر صبح وہاں سے واپس لاؤں جیسا کہ کسی عورت کو باغ میں لے جانے اور لانے کا حق ہے۔ اتنا کہہ کر میں نے بازوؤں کا حلقہ نوجوبنا کے گرد اتنا تنگ کر دیا کہ اسے سفیر مقرر ہونے کا احساس جاتا رہا اور وہ اس قدر بے قراری میں ہوگئی کہ پری باغ تک جانے کی

نوبت نہیں آئی۔

ایک شام انار کے درخت پر ایک پرندہ گنگنا رہا تھا۔ نوجوبنا نے مجھ سے کہا، جاؤ پرندہ توڑ لاؤ، آج ہمارے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ جب میں نے پرندے کو توڑنا چاہا تو وہ اڑ گیا۔ نوجوبنا رونے لگی۔ میں نے کہا، نوجوبنا، ان آنسوؤں کا یہاں استعمال نہیں، مگر نوجوبنا روتی رہی اور میں فتیلہ سوز کی روشنی میں اپنا شجرۂ نسب دیکھنے لگا کہ نوجوبنا میرے پاس آ گئی اور میں نے شجرۂ نسب اور فتیلہ سوز سے کہا کہ اب ہمارے درمیان بجوگ ہے۔

صبح جب ہم اٹھے تو زمین پر ایک لکیر بل کھا رہی تھی۔ نوجوبنا نے کہا، آؤ اس کا پیچھا کرتے ہیں۔ لکیر کے ساتھ ساتھ ہم ایک تہہ خانے میں پہنچ گئے اور نوجوبنا مجھ سے بچھڑ گئی اور ایک گوشے سے مجھے آواز دینے لگی کہ کیا تم مجھے دیکھ سکتے ہو۔ میں نے کہا، نہ میں تمھیں دیکھ سکتا ہوں اور نہ لکیر کو۔ نوجوبنا نے کہا، لکیر ایک بل پر ختم ہوگئی ہے۔ میں نے کہا، نہ میں بل کو دیکھ سکتا ہوں اور نہ سانپ کو۔ نوجوبنا نے میرا ہاتھ پکڑ کر سانپ کے بل میں ڈال دیا اور کہا، اگر مرد ہو تو اس کا رنگ بتا دو۔ میں نے کہا، مجھے اس کو باہر لینے دو، باہر روشنی میں جا کر سانپ کا رنگ دیکھ لینا۔ نوجوبنا نے کہا، اگر تم اس کا رنگ بوجھ گئے تو اسے مار دینا۔ میں نے کہا، اس کا رنگ گندمی ہے۔ نوجوبنا کچھ سوچنے لگی، پھر بولی، نہیں اس کا رنگ گندمی نہیں ہے۔ یہ سن کر سانپ نے میری کلائی چھوڑ دی اور ہم تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔

ایک دوپہر نوجوبنا بازار سے لوٹ کر آئی تو کہنے لگی، جس گھوڑے پر تم چڑھتے تھے اسے کسی نے زخمی کر دیا ہے۔ میں نے پوچھا، یہ کیسے ہوگیا۔ نوجوبنا غمزے کرنے لگی اور کہنے لگی، جان، دیکھو مشاطہ نے میری کتنی خوبصورت دو چوٹیاں نکالی ہیں اور نہلانے والی نے مجھے کتنا مل مل کر نہلایا ہے، کیا یہ وقت ہے کہ تم اتنی اودھلاہٹ میں مجھے اکیلا چھوڑ کر اس گھوڑے کے پیچھے بھاگو جو اب تک مر چکا ہوگا۔ میں نے کہا، آہ میرا گھوڑا۔ نوجوبنا نے کہا، میرے مرد، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عورت بے

اختیاری میں ہو، سو گھوڑے کو بھول کر میری خبر لو اور دیکھو کہ میں تمھاری طلب میں کیسی زخمی ہو رہی ہوں۔ شام کو جب میں نو جو بنا سے جدا ہو سکا، میرا گھوڑا دم توڑ چکا تھا اور سارے چوک میں بھیڑ لگی تھی کہ کیا سبک رفتار مارا گیا۔ جب میں اشک آلود وہاں پہنچا تو گھوڑے کا پرانا مالک، جو تیس کوس طے کر کے پہنچا تھا، مجھ سے کہنے لگا، کیا نو جو بنا نے تمھیں اس کی کھال لانے کو بھیجا ہے، تو توقف کرو، ابھی بیطار آتا ہوگا۔ میں نے اپنے گھوڑے کی آنکھیں موندیں اور اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس کی ایال سے منھ رگڑ کر اپنے آنسو پونچھے اور گھر لوٹ آیا جہاں دو چوٹیوں والی نو جو بنا مور پنکھیوں سے بنے تکیے میں منھ چھپائے سسکیاں بھر رہی تھی۔

نو جو بنا ایک رات زرچوب میں ملبوس میرے پاس آئی، اس وقت میں اپنی تلوار پہلو سے لگائے سو رہا تھا۔ میں نے پوچھا، تمھیں اتنی دیر کہاں ہوئی۔ نو جو بنا نے کہا، اگر تم آج رات مجھے جانے دو تو اگلے سات برس کے لیے تمھارے ملک کا خراج معاف ہو جائے گا۔ میں نے کہا، کیا کل سے ڈھلنے والے سکوں میں تیرا چہرہ کندہ ہونے والا ہے۔ نو جو بنا نے کہا، تم ہو کیا، اپنی تلوار سے عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کرنے والے، میں جا رہی ہوں، تم چاہنا تو جب میں لوٹ کر آؤں مجھے بھی قتل کر دینا۔ میں نے پوچھا، مگر تم کہاں جا رہی ہو۔ اس نے کہا، اب اتنی جلدی میں بتانا مشکل ہے، تم صبح پوچھ لینا، ویسے بھی میں رات بھر میں کوئی اچھا بہانہ سوچ چکی ہوں گی، ویسے میں یتیم لڑکیوں کو بحری جہاز میں سوار کرانے جا رہی ہوں، جو اعتبار کرنا ہے تو کر لینا۔ میں نے نو جو بنا سے کہا، اپنے بادشاہ اور اس کے لشکر پر اتنا بھروسا نہ کرو، جب یہ بھاگنے پر آتے ہیں تو خود ان کی فوج اپنے آدمیوں کا سامان لوٹ لیتی ہے، مبادا کہ نو جو بنا تم کہیں سے لٹ جاؤ۔ نو جو بنا نے کہا، مرد کا کام شک کرنا نہیں، اور یہ کہہ کر اس نے مجھ پر اتنا بڑا جرمانہ عائد کر دیا جو میں کبھی ادا نہ کر سکا۔

ایک دن نو جو بنا نے مجھ سے کہا، میرے بادشاہ کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی ہے، اگر میرا مرد اجازت دے تو میں سپاہیوں میں حوصلہ پیدا کرنے جاؤں کہ وہ میدان نہ چھوڑیں۔ میں نے کہا، تیرا بادشاہ میرے ملک پر حملہ کرنے جا رہا ہے، میں کاہے کو چاہوں گا کہ تو فوج میں صلح کرا دے۔ نو جو بنا نے کہا، میں نے تمھارے لیے ایک بڑا خزانہ جمع کرا دیا ہے اور اگر تم ضد کرو گے تو بادشاہ تمھارے سر کی

قیمت مقرر کردے گا۔ میں نے نوجوبنا سے پوچھا، کیا میرے سر کی قیمت اس کے بدن سے زیادہ مقرر ہوسکتی ہے۔ نوجوبنا نے کہا، اچھا مجھے رونے والی عورتوں کے تیوہار میں جانے دو۔ میں نے کہا، تم یہ تیوہار کیسے منا سکتی ہو کہ تم نے آج چکی کی پسی ہوئی گندم کھائی ہے۔ نوجوبنا نے کہا، میں اس آدمی کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہوں جو یہ بھی جان لے کہ میں نے کس طرح کی گندم کھائی ہے۔ میں چکی کا کفارہ دے دوں گی، مجھے رونے والی عورتوں کا تیوہار منانا منانا ہے۔ تم بھی کٹی ہوئی فصل کا آخری دانہ نہیں چھوڑتے، تم مجھے تیوہار منانے سے کیسے روک سکتے ہو۔

میں نے کہا، نوجوبنا، تم کتنی اچھی ہو کہ فصل کا آخری دانہ کھانے پر جو سزا مجھے مل سکتی ہے تم اس کا تاوان بھر دیتی ہو۔ نوجوبنا نے کہا، پھر مجھے جانے دو کہ اس تیوہار کا حسن وشکوہ میری وجہ سے ہے اور جانے سے میں کوئی بدنام نہیں ہو جاؤں گی۔ میں نے کہا، نوجوبنا، تیرے ہزار نام ہیں مگر میں تجھے بدنام کے نام سے نہیں جانتا، جا اور رونے والی عورتوں کی دلگیری کر کیونکہ مجھے وہ چوک معلوم ہے جہاں وہ جمع کی جارہی ہیں، جیسی کہ جب میں تجھ سے ملا آفتاب نصف النہار پہ تھا اور چھاؤں اپنے تعیُّن سے بہت کم۔ نوجوبنا نے کہا، تم شاید یہ نہیں دیکھتے کہ میں تمھارے جیون کا اَن ہوں۔ میں نے کہا، نوجوبنا، شاید تم نے اس آواز کو اپنے آپ سے منسوب کرلیا ہو جس کا مخاطب کوئی اور تھا۔ نوجوبنا نے کہا، ہر صدا اپنے مخاطب کو پہنچتی ہے اور اگر میں نے تمھاری آواز سن لی تو اے بولن ہارے، تمھاری آواز سے منسوب بھی ہوگئی۔ میں نے کہا، نوجوبنا، تم نے ضرور اپنی ماں کے ہاں ڈھولک میں کھانا کھایا ہے جب ہی ہر طرح کی آواز کو پہچان لیتی ہو اور اس ہاتھ کو بھی جو ابھی ڈھولک کو تھاپ نہیں دے رہا ہے۔

ایک دن نوجوبنا نے مجھ سے کہا کہ ضرور میں کسی جرم پہ کسی درخت سے لٹکا کر سزا پا چکا ہوں، جب ہی اس کے پتوں کے نقش میرے جسم پر آگئے ہیں۔ میں نے کہا، اگر تم پتوں کے نقش سے اس درخت کو پہچان لو تو میں تمھیں اس کا پتا بتا دوں، تا کہ یا تو تم مجھے اس کے حوالے کردو، یا اسے کاٹ کر اس کے پتوں کے نقش میرے جسم سے دور کردو کیونکہ مجھے تمھارے سامنے اپنی برہنگی سے عار آتا ہے کہ مبادا ان پتوں کی عفت مآبی میں تصرف ہو جائے اور وہ درخت جس کے وہ پتے ہیں، مجھے اتنی لمبی چھاؤں نہ دے جو کئی سمندر اور کئی پہاڑ پار کر لیتی ہے۔ نوجوبنا نے کہا، اگر تم پہیلیاں نہ بھی بجھاؤ تو میں

تمھاری قبر پہچانتی ہوں۔ میں نے کہا، اپنی موت سے کون پہیلیاں بجھا سکتا ہے، مگر زمین اور عورت اسی لیے ہوتی ہیں کہ انھیں زرخیز کیا جائے۔ نوجوبنا نے کہا، تم مجھے عورت سمجھتے ہو یا زمین۔ میں نے کہا، اس کا فیصلہ فصل دیکھ کر کروں گا۔

ایک صبح نوجوبنا نے کہا، میں اس تصویر کی نمائش میں جا رہی ہوں جو کوہِ تمام کے دامن میں اس غار میں بنی ہے جس میں ایک سمندر مدوجزر کرتا ہے۔ میں نے کہا، جانی، تمھیں تصویر سے زیادہ غار کے اندر سمندر کا مدوجزر دیکھنا ہے، کیا میں بھی تمھارے ساتھ نہ چلوں کہ میں نے غار سے باہر بھی کبھی مدوجزر نہیں دیکھا۔ نوجوبنا کہنے لگی، مدوجزر اکیلے اکیلے دیکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ تم پھانسی پانے والوں کے دیوتا کے تیوہار میں چلے جاؤ۔

میں نے کہا، کیا میں تمھارے ساتھ چلنے پر ضد نہ کروں۔ نوجوبنا نے کہا، واہ تم ایسے ہی تو مہرِ نامسخر ہو۔ اور یہ کہہ کر وہ مدوجزر کے معائنے کو چلی گئی اور عیدِ استقبال کے دن لوٹی اور مجھ سے کہنے لگی، اب کوہِ تمام کے باشندوں نے آدم خوری ترک کر دی ہے اور اناج کھانا شروع کر دیا ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، اس آدمی کو تم کیا کہو گی جس نے دلدل میں پناہ لے لی ہو۔ نوجوبنا چپ چاپ اپنے بال گوندھنے میں لگی رہی۔ پھر اس نے کہا، جو اپنے آپ کو شعلوں میں گھرا دیکھے اور چیخ اٹھے، غیر فانی بننے سے رہ جاتا ہے، پھر بھی میں تیری وہی نوجوبنا ہوں جس سے تو نے زمین پر محبت کی۔

ایک دن میں نے نوجوبنا سے کہا، میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بال سرخ ہوتے جا رہے ہیں، کیا میں اس پہ اب قربان کیا جا سکتا ہوں۔ نوجوبنا نے کہا، اگر کل صبح سمندر پہ نکلنے والا ستارہ میرے جہاز رانوں کے لیے اچھی خبر لائے تو ضرور۔ میں نے نوجوبنا نے پوچھا، تیرے جہاز راں تجھے کیا تحفے دیتے ہیں۔ اس نے کہا، معمولی ملاح تو جنگلی انگور لاتے ہیں اور ناخدا میرے لیے رنگ برنگ قطب نما لاتے ہیں۔ میں نے کہا، نوجوبنا، کیا قطب نما کی سوئی تلوار کی نوک سے زیادہ سچی ہوتی ہے۔ نوجوبنا نے کہا، نہیں مگر کم تکلیف دہ ضرور ہوتی ہے۔ میں نے کہا، میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنی تلوار سے تمھارے قطب نماؤں کو توڑ دوں تاکہ تمھارے سارے جہاز بھٹک جائیں اور تمھیں قطب نما پر اعتبار

نہ رہے۔ نوجوبنا نے کہا، ایسے ہی سورما ہوتے تو پیدا ہوتے ہی اپنے بادشاہ کے تخت پر چڑھ گئے ہوتے۔ میں نے کہا، اور تم ایسی ہی قطب نماؤں کی مدّاحہ ہوتیں تو عارضی طور پر کسی جہاز کا تمھیں ناخدا بنا دیتے۔ نوجوبنا نے کہا، تم اپنے گھوڑے کے پاؤں سے دوڑتے ہو اور اپنی تلوار کی کاٹ سے بولتے ہو، تمھیں ابھی سمندر اور جہاز کا حال کیا معلوم۔ میں نے کہا، نوجوبنا، جانی، کوئی کوئی آدمی تلوار کے برن میں پیدا ہوتا ہے۔ نوجوبنا نے کہا، سمندر بھی کبھی کبھی کسی کے جہاز رانوں پہ مہربان ہوتا ہے۔ میں نے کہا، اے نوخیز نوجوبنا، کتنی عجیب بات ہے کہ سمندر بھی نمکین ہوتا ہے اور وہ لہو جو تلوار بہاتی ہے اس کا ذائقہ بھی نمک سے بنا ہے، اور دیکھ کہ اب میرا اور تیرا تعلق کیسا واضح ہوتا جا رہا ہے۔ نوجوبنا نے کہا، اگر تم ناراض نہ ہو تو میں ایک عجیب بات کہوں، کل میرا اشگن راج نامی جہاز سفر کو تیار تھا اور میرا جی بہت چاہ رہا تھا کہ چند ماہ سمندر میں گزار آؤں۔ ملاحوں نے میرے لیے بہت گیت گائے اور مدہوش کر دینے والی شراب میں مجھے نہلا دیا، ناخدا تو مجھے اس کشتی میں اترنے ہی نہ دیتا تھا جو جہاز سے ساحل کو جا رہی تھی۔ جب تک میں نے انھیں یہ نہیں بتایا کہ اگر تم نے مجھے جانے نہ دیا تو یہ جہاز ڈوب جائے گا، میری جدائی انھیں گوارا ہی نہیں ہو سکی۔ اور ذرا دیکھو کہ اس موسم میں سمندر کو چھوڑ کر میں تمھارے ساتھ آ گئی ہوں۔ میں نے کہا، نوجوبنا، شاید تمھیں یاد نہ ہو کہ جب تم جا رہی تھیں تو میں نے تمھیں تلوار سے کاٹ کر ایک سیب کھلایا تھا اور میری تلوار سے کٹا ہوا پھل کھانے کے بعد جانے والے لوٹ کر میرے پاس آ جاتے ہیں۔ نوجوبنا نے کہا، بے ایمان، تو نے مجھے سمندر سے جدا کر دیا، اب جب تک تم آنکھوں پر پٹی نہیں بندھوا لیتے اپنی تلوار سے کوئی پھل نہیں کاٹ سکو گے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، کس نے تمھیں ہر سحر کا رد بتا رکھا ہے۔ مبادا کہ ایک دن تم میرا بھی رد کر دو کہ اپنی اصل میں میں بھی ایک سحر اور سحر زدہ ہوں۔ نوجوبنا نے کہا، فکر نہ کرو، بادشاہ کی گھوڑی کے بچہ جننے تک میں کسی سحر کے قابل نہیں ہوں۔ میں نے کہا، نوجوبنا، جب تک میں نہ چاہوں تیرے بادشاہ کی گھوڑی گابھن نہیں ہو سکتی۔ نوجوبنا مجھ سے درخواست کرنے لگی کہ میں اسے یہ راز بتا دوں اور رات بھر کی دلداری کے بعد وہ یہ راز جاننے میں کامیاب ہو گئی اور مجھے سوتا چھوڑ کر بادشاہ کو بتا آئی۔ تب میں نے اس سے کہا، نوجوبنا، جب روح بہت ترقی کر جائے تو وہ درخت اور آدمی دونوں کا روپ دھار سکتی ہے، مگر میری تمنا تو یہ تھی کہ تو میرے گھر میں آدمی رہتی اور بادشاہ کے صحن میں درخت۔ نوجوبنا نے کہا، میں تیرے گھر میں

درخت یوں ہوں کہ تو لکڑ ہارا نہیں ہے اور بادشاہ کے صحن میں آدمی یوں کہ وہاں تجھ جیسے شمشیر بازوں کا گزر نہیں۔ میں نے کہا، نوجوبنا، تلوار اپنا راستہ آپ بناتی ہے۔ اور جو ملیدہ تم بادشاہ کے ہاں سے سوغات لائی تھیں کسی ناتجربہ کار تلوار سے گوندھا گیا تھا۔ نوجوبنا نے کہا، اگر تم گفتگو میں قفل لگاتے ہو تو میرے پاس ترجمے کی چابی بھی ہے۔ میں نے کہا، اگر تم میری بات خوب خوب سمجھتی ہو تو ان گھسیاروں کی بھی پیشوائی کرو جو ولی عہد کے باغ میں تمھیں گزرتا دیکھ کر درانتیاں بھول جاتے ہیں اور شام تک تلاش کرتے رہتے ہیں۔ نوجوبنا نے کہا، اگر تم اسی طرح درانتی کا مذاق اڑاتے رہے تو پھر ان کو بھی وار کرنے کا حق ہے۔

ایک رات نوجوبنا کہنے لگی کہ آج مجھے صبح صبح جانا ہے کیونکہ خانماں خراب روحیں جو میرے بادشاہ کے خدام اور لشکریوں پہ قابو پالیتی ہیں، انھیں رام کرنا ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، تم ایسی دوہری دیوی کب سے ہوگئی ہو۔ نوجوبنا نے کہا، ہر وقت چھیڑ اچھی نہیں، مبادا کہ تم کسی دیوار سے باندھ دیے جاؤ یا تم پر کوئی مینار ڈھا دیا جائے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، میں کوئی اندھا گھوڑا نہیں ہوں اور نہ تم کوئی چتکبری پہاڑی ہو۔ نوجوبنا نے کہا، میں دیکھ رہی ہوں کہ موت کسے کہاں ہانکنے لیے جا رہی ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، میں بھی ایک مدت خانماں خراب روحوں کو پانی پلایا کرتا تھا، سو کوئی روح مجھ سے وحشت نہیں کرتی۔ نوجوبنا نے کہا، بہرحال آج تم باہر مت جانا، آج ان لوگوں کو چوک سے گزرنا منع ہے جنھیں بادشاہ کی خوشنودی حاصل نہ ہو، کیونکہ تمھارے قتل کا تاوان بھرنا اب میری استطاعت سے دور ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، چوک میں ایک عورت بڑے ہی دہکتے ہوئے تندور میں روٹیاں پکاتی ہے اور کسی ایسے خریدار کے لیے فروخت نہیں کرتی جسے وہ پسند نہ کرے، جو ہو سکے تو یہ میرا منقش پیالہ ہے، اسے دے کر عوض میں دو چار روٹیاں لیتی آنا۔ نوجوبنا نے کہا، وہ عورت تو اپنے گالوں پر شنگرف کی درستگی میں لگی رہتی ہے اور اس کے ہاتھ کہنیوں تک پرندوں کے پروں سے آراستہ رہتے ہیں، تم نے اسے کہاں دیکھا اور کیوں یاد رکھا۔ میں نے کہا، نوجوبنا، اگر تجھے تفصیل بہت پسند ہے تو جا اور اپنی خانقاہوں کی کنواریوں سے پوچھ، کل وصال کی عید ہے اور میں صرف اس تندور کی روٹی کھانا چاہتا ہوں جس کی آگ سال بھر تک نہ بجھی ہو۔ نوجوبنا نے کہا، اے آگ کے پرستندہ، تو بھی خوب ہے

کہ بود و باش تو میرے ساتھ ہے اور خبر سارے شہر کے تندوروں اور آتش کدوں کی رکھتا ہے۔

ایک دن نوجوبنا صبح اٹھ کر رونے لگی کہ ہائے میرا آئینہ کیا ہوا۔ میں نے آئینے کو بہت تلاش کیا اور آخرکار نوجوبنا سے کہا، تو نے ضرور نیند کی حالت میں آئینہ چبا ڈالا ہے۔ نوجوبنا بہت برہم ہوئی، پھر سنبھل کر نہن پن سے کہنے لگی، آئینہ کھانے والا خود بھی آئینے کا بن جاتا ہے۔ میں نے کہا، جانی، آئینے کے دو رخ ہوتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پچھلا حصہ تمھارے چہرے پر نمایاں ہو جائے۔ نوجوبنا نے کہا، کوئی بھی محبت کرنے والا آدمی اتنی سخت بات نہ کرتا۔ میں نے کہا، اور کوئی بھی سچ بولنے والا آدمی آئینے کو ٹوٹتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ نوجوبنا نے کہا، اے سچ بولنے والے، تو کتنا بے تنوع ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے کہا، ہاں کیونکہ میں تمھاری شان میں کوئی تیوہار نہیں منوا سکتا۔ نوجوبنا نے کہا، مگر تم زمین پر گر کر ہچکیوں سے رو تو سکتے ہو۔ میں نے کہا، نوجوبنا، اُڑتے ہوئے پرندے سے اپنی یخنی کی ہانڈی نہ بھرو۔ نوجوبنا یہ سن کر اداس ہو گئی اور اس نے کہا، چھوڑو، آج میں کہیں بھی نہیں جاتی کہ آج طبیعت میرے مرد کی شگفتہ نہیں ہے اور مجھے دلجوئی لازم ہے۔ اور عیدِ وصال کا تیوہار ہم آج بھی منائیں گے اور کل بھی۔ میں نے کہا، نوجوبنا، تم کتنی اچھی دریائی گھوڑی ہو، مگر نوجوبنا اتنا سننے سے پہلے ہی دریا کو سیلاب میں لا چکی تھی۔ پھر نوجوبنا نے مجھ سے کہا، تم اتنے اچھے ہو کہ اگر تمھیں شکاری کتوں سے نچوا بھی دیا جائے تو تمھاری ہڈیاں تو انھیں نہیں کھانے دوں گی، کاش تمھیں یہ گمان نہ ہوتا کہ جو بھی تمھاری تلوار کی زد میں آ جائے تمھارا ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، میں تمھیں اپنا خون معاف کرتا ہوں، ہر وہ چیز جو میری تلوار کی زد میں آ جائے میری ہے، تم جاؤ اور اپنے بادشاہ اور اس کے جانوروں کو ہموار کرو، اگرچہ میری تلوار بھی انھیں خوب ہموار کر سکتی ہے مگر میں تمھارا حق نہیں چھیننا چاہتا۔ نوجوبنا نے کہا، تم ہو تو اس قابل کہ کوئی بھی میراثن تمھارا نوحہ نہ گائے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، مگر تم تو روؤ گی۔ یہ سن کر نوجوبنا رونے لگی اور نوچندی کی صبح تک روتی رہی۔

ایک دن میں نے نوجوبنا سے کہا، آج تو بہت طرح دار نظر آ رہی ہے۔ نوجوبنا نے کہا، آج میں ایک نئے راستے سے گزری اور ایک کنویں پر غسل کیا کیونکہ تف ہے اس آدمی پر جو ایک خنک

کنواں دیکھے اور لطف اندوز نہ ہو۔ میں نے کہا، نو جو بنا، اگر آدمی خنک کنویں پر نہا لے تو اس کی آنکھیں اور پپوٹے بہت خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ آ، میں تیری آنکھوں کو دیکھوں کہ وہ کنویں کتنے گہرے تھے اور تیرے پپوٹوں کو چوموں کہ ان کا پانی کتنا خنک تھا۔ نو جو بنا نے پوچھا کہ آج تم نے کیا کیا۔ میں نے کہا، جانی، آج میں نے دوہری کلہاڑی سے ایک تہہ خانے کے تختے کاٹے ہیں۔ نو جو بنا کہنے لگی، تمھیں اس تہہ خانے میں کیا خزانہ ملا۔ میں نے کہا، نو جو بنا، خزانہ اکیلے اکیلے تلاش کیا جاتا ہے، تہہ خانے میں میں نے وہ نسخہ پایا جس سے منہ زور گائیں آسانی سے بچہ جنتی ہیں۔ نو جو بنا نے کہا، اگر تم اپنے وطن میں ہوتے تو اپنے ہمسائے کے باغ پر بھی محصول لگا دیتے، اور تم ابھی اتنے تیز نہیں ہوئے کہ آگ کو چھو کر زرخیز کر سکو۔ میں نے کہا، نو جو بنا، میں تیرے بادشاہ کی گایوں کے تھنوں سے سارا دودھ چرا سکتا ہوں، مگر ڈرتا ہوں کہ کوئی اسے تیری کارستانی نہ سمجھ لے۔ نو جو بنا نے کہا، جس ہاتھ سے شمشیر آلودہ ہو جائے اسے چوری نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے کہا، جس پر دل آ جائے اسے پھٹا ہوا دودھ بھی پینے کو نہیں دینا چاہیے۔ نو جو بنا نے کہا، اس میں میرا کیا قصور، دودھ تمھارے ہاتھ میں آ کر پھٹ جاتا ہے، اگر میں یہ بات عام کر دوں تو تمھارا سر قلم ہو جائے۔ میں نے کہا، نو جو بنا، تم جلاد کو بہت مصروف رکھتی ہو مگر تمھیں پتا نہیں میرے جسم میں میری روح غیر حاضر ہے۔ نو جو بنا نے کہا، آپ اپنی روح کو کہاں رکھا کرتے ہیں۔ میں نے نو جو بنا کو لپٹاتے ہوئے اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا، یہاں۔ نو جو بنا نے کہا، یہ جھوٹ ہے۔ میں نے کہا، ہاں، مگر کیا کروں کہ تیرے دل کے حوالے سے ہر بات جھوٹ ہو جاتی ہے۔ نو جو بنا نے کہا، تیری روح بھی ایک قطامہ ہے۔ میں نے کہا، نو جو بنا، تم پر مشکل ہے کہ میری روح میرے جسم سے اکھیڑ دو۔ نو جو بنا نے کہا، تم کون سا مجھ پر ظلم کر رہے ہو۔ میں نے کہا، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ کشتی بدمزاج ہوتی جا رہی ہے اور لہریں بدتمیزی کر رہی ہیں۔

ایک دن نو جو بنا بہت اداس میرے پاس آئی۔ اس کی مشاطہ اس کے چہرے پر خال نکالنا بھول گئی تھی۔ میں نے کہا، دل آرام، کیا وحشت تجھے ستا رہی ہے۔ اس نے کہا، خاموش رہو۔ ایک دن میں سو سو قبریں کھودی جائیں تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا، اگر تم کہو تو میں اس کا

مطلب بتا دوں۔ نو جو بنا نے تمسخر کیا اور کہا کہ اے لڑن ہارے، یہ وہ باتیں ہیں جو تو نہیں جانتا۔ میں نے کہا، جانی، تو خوش رہ مگر شمشیر زنی قوتِ بازو سے نہیں، ہمت سے ہوتی ہے اور میری ہمت کسی امر میں مجھے مجبور نہیں پاتی۔ سبب سو قبریں کھودنے کا یہ ہے کہ تیرا بادشاہ، جس سے شاید تجھے اس دوران تقرب حاصل نہیں رہا، مرنے کے قریب ہے اور ان میں سے کسی ایک قبر میں دفن کر دیا جائے گا کہ مبادا کوئی اس کی قبر شناخت کر کے لاش کی بے حرمتی کرے۔ نو جو بنا یہ سن کر اپنے باشاہ کی محبت میں رونے لگی اور کوئی داد مجھے میری وضاحت کی نہ دی۔

جب بادشاہ مر گیا اور سو کھدی ہوئی قبروں میں سے کسی ایک میں دفن ہو گیا تو نو جو بنا نے ماتم کا اعلان کیا اور تین ماہ تک گھر سے نہ نکلی۔ نیا بادشاہ اس کا بے انتہا پرستار تھا۔ نو جو بنا مجھ سے کہنے لگی، اب وقت آ گیا ہے جب ہم اور تم جدا ہو جائیں۔ بادشاہ کسی نہ کسی بہانے سے تمھیں قتل کر دے گا، اور شاید میں بھی تمھارے ساتھ ہونے کے سبب جان سے ہاتھ دھوؤں۔ میں نے کہا، کچھ ایک اشرفیاں میرے پاس ہیں، جو تو چاہے تو ایک تندرست گھوڑا خرید لا اور آج رات ہم یہاں سے نکل چلتے ہیں۔ نو جو بنا نے کہا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بادشاہ کے مزاج میں مجھے کتنا دخل ہے اور تم کیسے عجیب آدمی ہو کہ خشک روٹی اور پھٹے ہوئے خیمے کے بھروسے پر ایک ایسی عورت کو لے بھاگنا چاہتے ہو جو کل تختِ شاہی میں شریک نظر آتی ہے۔ میں نے کہا، نو جو بنا، تم بھی کتنی عام عورت ہو کہ خشک روٹی اور پھٹے ہوئے خیمے کو چھوڑ کر تختِ شاہی میں شراکت پر بھروسا کرتی ہو۔ نو جو بنا نے کہا، اچھا اس بات کو ابھی موقوف کرتے ہیں۔ چلو آج تمھارے فتیلہ سوز کو باہر پھینک دیں کیونکہ بادشاہ نے میری خوابگاہ کے لیے فانوس کا تحفہ بھیجا ہے۔ میں نے کہا، نو جو بنا، میرے پاس تو بادشاہ کی خوابگاہ کے لیے کوئی تحفہ نہیں ہے۔ نو جو بنا نے کہا، تم اس کی فکر کاہے کو کرتے ہو۔ اس رات نو جو بنا فانوس آراستہ کرنے میں لگی رہی اور میں نے اس کے انتظار میں جاگنا مناسب نہ سمجھا۔

ایک دن نو جو بنا نے کہا، کل میں وزیر کو ایک سیب بڑھا رہی تھی کہ بادشاہ کی نگاہ پڑ گئی اور اس نے دربار برخاست کر دیا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے سیاست نہ کرے۔ میں نے کہا، وزیر کو اتنی بے اختیاری میں نہیں رہنا چاہیے، تو عنقریب اچھی خبر سن لے گی۔ شام کو جب نو جو بنا لوٹی تو اس نے

کہا، وزیر کا سر قلم کر دیا گیا اور میرا ہاتھ داغ دیا گیا۔ میں نے کہا، میں تیرے ہاتھ کا داغ مٹا دیتا ہوں اور چاند کے پورا ہونے تک تیرا ہاتھ شفاف ہو جائے گا اور جیسا کہ مجھے نظر آتا ہے تیرے باشاہ کی قبر اپنی گہرائی کو کھد چکی ہوگی۔ نوجوبنا نے کہا، میں تم سے وحشت زدہ ہوں کہ تم میرے دل کو اس طرح پڑھ لیتے ہو۔ میں نے کہا، نوجوبنا، تیرے اعضا حشر سے پہلے ہی تیری چغلی کھانے لگے ہیں، اس میں میرا کیا قصور۔ نوجوبنا نے کہا، کیا تم قیامت پر یقین رکھتے ہو۔ میں نے کہا نہیں مگر مرد کو قیامت کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ یہ انھیں کے لیے آتی ہے اور کوئی نامرد تو تیرے معبود کی جنت میں نہیں جائے گا۔ نوجوبنا نے کہا، تم مجھے اور میرے معبود کو کتنا صحیح صحیح سمجھ لیتے ہو۔

نوجوبنا نے ایک دن مجھ سے کہا کہ ولی عہد اس سے کہتا ہے کہ وہ کیوں نہیں اپنے مرد سے کنارہ کش ہو جاتی، ورنہ میرے ملک میں بہت سے دریا بہتے ہیں کہو تو اس کو لہروں کی نذر اس طرح کروں کہ اس کی لاش بھی نہ مل سکے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، پھر تم بیوہ کہلاؤ گی اور یہی ولی عہد بہت سی تقریبوں میں تمھارا داخلہ بند کرا دے گا۔ نوجوبنا نے کہا، کبھی آپ ولی عہد کی دعوت میں کیوں نہیں چلتے۔ میں نے کہا، نوجوبنا، میں تلوار باز بہت اچھا ہوں اور اپنی تلوار سے ہر طرح کا زہر کاٹ سکتا ہوں، سو تم میرے لیے تردد نہ کرو۔ نوجوبنا نے کہا، ولی عہد سے آج تو میں نے درگزر کرا لیا، مگر تخت پر جلوس کے بعد وہ بے ایمان ہو جائے گا اور تمھیں بندی خانے مین ڈال دے گا، جہاں تم یا مر جاؤ گے یا مار ڈالے جاؤ گے۔ میں نے نوجوبنا سے پوچھا کہ اس نے ولی عہد کو کیسے میرے خون سے دور رکھا۔ نوجوبنا نے کہا مجھے اسے موسیقی کی طرف راغب کرنا پڑا۔ میں نے کہا نوجوبنا تو نے کیا گایا۔ نوجوبنا گانے لگی:

بانوے شہر سے کہنا کہ ملاقات کرے
ورنہ ہم جنگ کریں گے وہ شروعات کرے
دل و شمشیر اثاثہ ہیں محبت میں مجھے
کوئی ایسا تو نہ نکلا کہ ابھی مات کرے
اس نے شمشیر پہ لکھا کہ اجل تیری ہے
دل کو لازم ہے کہ اس ناز پہ اثبات کرے

میں نے کہا، اے گاون ہار، تو نے ولی عہد کا دل جیت لیا ہوگا۔ اس نے کہا، ہاں ولی عہد نے آج پھانسی پانے والے تمام قیدیوں کو معاف کر دیا اور مجھے بیچ دریا میں بنا ہوا شیش محل نذر کیا، وہ تو کہتا تھا کہ شاعر کو بھی میرے پاس لاتا کہ خاطر خواہ نواز سکوں، مگر لکھنے والا ان بیتوں کا نہ جانے کون ہو اور کب کا مر کھپ چکا ہو۔ میں نے کہا، اگر تم کہو تو میں تمھیں ان بیتوں کے لکھنے والے کا نام بتا دوں۔ نو جو بنا نے کہا، مگر شاید تم موسم بہار تک مہمان رہ گئے ہو۔ میں نے کہا، کیا میرے تجھ سے ہم جفت ہونے سے تمام درخت بار آور ہو چکے ہیں۔ نو جو بنا نے کہا، نہیں، ابھی کچھ باقی ہیں۔ اور بقیہ سارا وقت ہم نے درختوں کو بار آور کرنے میں گزار دیا۔

ایک دن نو جو بنا مجھ سے کہنے لگی کہ نئے بادشاہ کے کچھ بدخواہ شورش پر آمادہ ہیں، میرا ارادہ ہے کہ تجویز کروں کہ ان کے کھیتوں کا پانی موقوف کر دیا جائے۔ میں نے کہا، نو جو بنا، میں اس کی بابت کیا کہہ سکتا ہوں، یہ تیرا تیرے بادشاہ سے معاملہ ہے۔ نو جو بنا نے کہا، اچھی عورت وہ ہے جو ہر امر میں اپنے مرد سے مشورت کرے۔ میں نے کہا، نو جو بنا، تو مشورت کے بغیر بھی اچھی عورت ہے اور تیرے ملک کی زمین بھی زرخیزی میں مثال ہے، ضروری نہیں کہ تو میرے لہو کا چھڑکاؤ بھی اپنی فصلوں پر کرے کیونکہ جتنی فصل اس سال ہو رہی ہے تیرے غلہ دانوں کی استطاعت کو عبور کر چکی ہے۔ نو جو بنا نے کہا کہ آج مجھے بھیس بدل کر باہر نکلنا ہے، کیا تم مجھے کسی اور طرح تیار کر سکتے ہو۔ میں نے کہا، نو جو بنا، میں نے مشاطہ گیری نہیں سیکھی اور نہ جانوروں کی کھالیں اتاری ہیں، تم ایسا کرو کہ آج میرے ساتھ باہر نکلو۔ نو جو بنا نے کہا، جہاں میں جانا چاہتی ہوں وہاں تک جانے کی تاب تم بھی نہیں رکھتے۔ میں نے کہا، نو جو بنا، میں تیرے شیطان اور تیرے خدا دونوں سے آزمایا جا چکا ہوں۔ نو جو بنا نے کہا، مگر ابھی تک تم مجھ سے آزمائے نہیں گئے۔ میں نے کہا، اور ابھی تک تم نے بھی مجھے امتحان اور حقیقت کو تلوار سے جدا کرتے نہیں دیکھا۔ نو جو بنا نے کہا، کل ایک کنیز ولی عہد کو رجھا رہی تھی اور میں نے اس کے پیمانے میں زہر آلود درخت کی پتیاں ڈال دیں، آج رات وہ مر جائے گی۔ میں نے کہا، ولی عہد کیسا مرد ہے کہ اپنی تلوار سے ایک چاہنے والی لڑکی کا زہر نہیں کاٹ سکتا۔ نو جو بنا نے کہا، جبھی تو وہ صرف ولی عہد ہے، بادشاہ نہیں بن جاتا۔ میں نے کہا، شاید تم نے اسے بادشاہ بننے کا مشورہ ابھی نہیں

دیا۔ نوجوبنا نے کہا، اگر میں زہر سے ہلاک ہونے لگوں تو کیا تم میرا زہر کاٹ دو گے۔ میں نے کہا، کیا تیرا بادشاہ اپنی تلوار سے تیرا زہر نہیں کاٹ سکتا۔ نوجوبنا نے کہا، تم بہت سفاک مرد ہو اور اپنی تلوار میرے زہر سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے۔

ایک دن نوجوبنا نے کہا، کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مجھے گھڑسواری اور شمشیر بازی سکھا دو۔ میں نے کہا، جاناں، گھوڑے بدک جاتے ہیں اور تلوار چھوٹ کر ہاتھ پاؤں زخمی کر دیتی ہے، تمھاری آرسی کیا خوب ہے اور تمھاری ہاتھی دانت کی کنگھیاں کتنی اچھی ہیں اور تمھارے لب کتنے کارآمد ہیں، تمھیں گھڑسواری اور شمشیر بازی کی کیا سوجھی۔ نوجوبنا نے کہا، میرا ایک دشمن ہے جسے گھڑسواری اور شمشیر بازی پر ناز ہے، میں اسے کچل دینا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا، وہی تو نہیں جس کے گھوڑے کو تو نے تھان سے کھول دیا تھا اور اس کی تلوار اس کے گھوڑے کے جسم میں گاڑ دی تھی۔ نوجوبنا نے کہا، مگر میں نے تو گھوڑے کو ایک ویران کنویں میں ڈھکیل دیا تھا، تمھیں یہ واقعہ کیسے معلوم ہوا۔ میں نے کہا، ایک جرم میں میں اس کنویں میں قید تھا، جب تو نے گھوڑے کو کنویں کے حوالے کیا تو پانی کی سطح کے ساتھ میں بھی بلند ہوا اور منڈیر پھاند کر باہر نکل آیا۔ نوجوبنا نے کہا، آج میرا دل چاہ رہا ہے کہ تیری بابت کچھ اور جانوں۔

میں نے کہا، ہمارے گھرانے میں قید کی حالت میں کھانا نہیں کھایا جاتا تھا۔ جب دو سپاہی ایک عورت کو بے عزت کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور چند بھٹیارے ان کے بعد امیدواری میں کھڑے تھے، میں ایک محل سرا کے پچھواڑے سے گزر رہا تھا۔ عورت پر افتاد دیکھ میں نے تلوار اٹھائی اور تلوار ہاتھ میں رکھنے کا حق ادا کر دیا۔ محل سرا کی چھت سے ایک کنیز یہ ماجرا دیکھ رہی تھی، ضبط نہ کر سکی اور مالکہ سے تفصیل گزار آئی۔ مالکہ نے کارندے کو دوڑایا اور مجھے کہا گیا کہ محل کی مالکہ تمھیں طلب کر رہی ہے۔ مالکہ نے مجھے کوتوال کے سپرد کر دیا اور کوتوال نے مجھے بندی خانے میں ڈال دیا۔
بندی خانے میں میرا چھوڑا ہوا کھانا کھانے کے لیے میرے پہرے دار قرعہ ڈالنے لگے۔ مگر ایک دن ایک سپاہی نے قرعے کو رد کر دیا اور بندی خانے میں بلوہ ہو گیا۔ تحقیق سے اس کا سبب میں

ثابت ہوا۔ مجھے شہر کے حاکم کے پاس لایا گیا۔ اس نے دریافت کیا کہ تو کھانا کیوں چھوڑ دیتا ہے کہ میرے سپاہیوں کی بھوک بے تاب ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا میں قید کی حالت میں کھانا نہیں کھاتا۔ حاکم نے کہا، تو سچ کہتا ہے کہ مرد پہ قید کی حالت میں کھانا حرام ہے۔ میں تجھے یہاں سے بری کراتا ہوں اور اپنی خدمت میں رکھتا ہوں۔ کیا تجھے منظور ہے۔ میں نے کہا، انتخاب اور فیصلہ آزاد آدمی کا کام ہے، مگر میں اس قید سے تیری خدمت بہتر گردانتا ہوں۔

حاکم نے مجھے نوکر پیشہ میں ایک کوٹھڑی دے دی مگر ایک کمبل دینا بھول گیا حالانکہ دارالحکومت میں ان دنوں برف گر رہی تھی۔ مجھے اس نے گھوڑوں کی نعل ٹھونکنے کی خدمت سپرد کی۔ یہ گھوڑے اسے کسی مقدمے میں سفارش کے طور پر ہدیہ ہوئے تھے۔ میں نے ہر دوسرے گھوڑے کی نعل الٹی ٹھونکی۔ نیم مقید اور نیم آزاد آدمی کو اس طرح کی حرکت کرنے کا حق حاصل ہے۔ جب حاکم نے ان گھوڑوں کی چال دیکھی تو مقدمے کا فیصلہ ہدیہ دینے والے کے خلاف کر دیا۔ اس شخص نے بہت واویلا مچایا کہ میرے گھوڑے صحیح النسب ہیں اور ایک جاسوس اپنا مقرر کیا کہ معاملہ تحقیق کرے۔ جاسوس بہت دنوں کے بعد، جب ملزم اپنی سزا بھگت چکا، اس بات پر پہنچا کہ نعلیں الٹی ٹھونکی گئی ہیں۔ حاکم نے مجھے بلا کر اس بابت دریافت کیا، جو میں نے بے تکلفی سے بتا دیا۔ حاکم نے کہا تو نے یہ میرے احسان کا بدلہ دیا۔ میں نے کہا، نابینا آدمی کسی پر کیا احسان کر سکتا ہے۔ حاکم نے کہا، تو نے مجھے نابینا کیوں کہا۔ میں نے کہا، اس واسطے کہ تو نے میرے ہنر کے مطابق خدمت مجھے نہیں پیش کی اور میں تلوار بازی میں دستگاہ رکھتا ہوں نہ کہ نعل بندی میں۔ حاکم نے کہا، اچھا جو ہوا سو ہوا، اب تو یہاں سے نکل جا۔

میں نے وہی کیا جو کہا گیا تھا۔ راستے میں میں نے دیکھا کہ ایک ہاتھی بدمست ہوا چاہتا ہے اور عماری میں ایک سبک اندام لڑکی گریہ وزاری کر رہی ہے۔ میں نے تلوار سے ہاتھی کو قابو میں کیا اور عماری کو استوار کر دیا۔ مہابت اور جلوس نے میرا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ یہ شاہزادی کی سواری ہے۔ میں نے شاہزادی کی خدمت میں بندگی پیش کی۔ شاہزادی نے کہا، اس سے پوچھو کہ اسے مجھ سے کس حسنِ سلوک کی توقع ہے۔ میں معروض ہوا کہ دارالحکومت میں مجھے بندی خانے میں ڈال دیا گیا تھا، جہاں میں نے ایک کوٹھڑی کی دیواروں پر چند لکیریں ڈال رکھی تھیں، اگر اجازت ملے تو میں ان

لکیروں کو وہاں سے لے آؤں۔ شاہزادی اجازت دے کر چلی گئی اور میں رکاب داروں کے ساتھ بندی خانے میں اپنی کوٹھڑی تک پہنچا دیا گیا۔ میرے قید ہونے کی جگہ پر دیواروں سے وہ لکیریں غائب تھیں۔ تب میں نے موجود قیدی سے پوچھا کہ میری دیوار کی لکیریں کہاں گئیں۔ قیدی نے کہا، میرے بدن پر آ گئیں۔ اور تب ہی میں نے پہلی مرتبہ تمھیں اور تمھارے بدن کو دیکھا۔

میں نے کہا، مجھے ان لکیروں کو اپنی تحویل میں لینے کا حکم ہے۔ تم نے کہا، کیا تم میری کھال کھینچ کر لکیروں کو تحویل میں لوگے۔ میں نے کہا، نہیں، تمھیں آزاد کروا کر — اگر تم چاہو۔ میری درخواست پر تم آزاد ہو گئیں۔ بندی خانے کے نگران نے مجھ سے کہا، کاش تم اتنی بے اختیاری میں نہ ہوتے کہ اس کے قید ہونے کا سبب نہ پوچھتے۔

بندی خانے سے نکل کر تم اور میں ساتھ ساتھ چلنے لگے، جب ایک موڑ آیا تو تم نے کہا، تم کدھر جاؤ گے۔ میں نے کہا، میں نے تعین نہیں کیا ہے۔ تم کہنے لگیں، مگر مجھے تمھارے ساتھ نہیں جانا ہے۔ تمھاری لکیریں میرے پاس امانت ہیں اور شاید تم صبر سے آگاہ ہو۔ اگر تم مجھے اپنی راہ جانے دو تو یہ عین محبت ہوگی۔ میں نے تم سے کہا، میری امانت کے لیے اپنی راہ کھوٹی نہ کرو۔ تم نے کہا، اور یہ نہ سمجھنا کہ تم نے احسان کر کے مجھے رہا کرا دیا، میں شام تک کسی نہ کسی بہانے بندی خانے سے نکل جاتی۔ میں نے کہا، ویسے میرا بہانہ بھی کوئی برا نہیں ہے اور بہانہ سازوں میں احسان اور احسان فراموشی کا تکلف نہیں ہوتا۔

دارالحکومت سے باہر نکل کر میں دریا کے کنارے جا پہنچا۔ میں دریا پار کرنے کو کشتی میں بیٹھا ہی تھا کہ دریا دار کے کارندے مجھے کشتی سے اتارنے آئے اور مجھے بتایا کہ جو بندی خانے میں قید ہو چکا ہو اسے عام کشتی میں دریا پار کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ایک ویران گھاٹ پر ایک سیاہ کشتی رکھی ہوئی تھی۔ میں اس میں بیٹھ گیا اور دریا پار کرنا چاہا۔ دریا دار کے کارندے پھر مجھے روکنے لگے اور مجھے بتایا گیا کہ میں دریا اس کشتی میں بھی اسی وقت پار کر سکتا ہوں جب کوئی اور قیدی میرے ساتھ کشتی میں شراکت کرے۔ میں نے سوچا نہ جانے دوسرا قیدی کب تک آئے، مگر اس امید پر کنارے پر بیٹھا رہا کہ دریا خشک بھی ہو جاتے ہیں اور دریا دار بدل بھی جاتے ہیں کہ رات آ گئی اور کارندے کسی قیدی کو لے کر میرے پاس آئے کہ اب ایک آزاد کردہ قیدی اور آ گیا اور تم دونوں کو دریا پار کرنے کا استحقاق

ہے۔

میں نے کشتی دریا میں چھوڑ دی اور جب آدھا دریا سر ہو چکا تو میں نے مسافر سے پوچھا، تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا، خوب، کیا تم مجھے نہیں پہچانتے، اور تب میں نے یہ جانا کہ یہ تم تھیں۔ تم نے کہا، شاید تم نے مجھے اس لباس میں نہیں پہچانا، اگر تم تھوڑی دیر کے لیے پانی میں اتر کر سانس سادھے رہو تو میں اپنا لباس تبدیل کرلوں۔ میں دریا میں اتر گیا اور قریب تھا کہ میرا سانس اکھڑ جاتا کہ تم نے کہا، میں نے لباس بدل لیا، اب تم کشتی میں آسکتے ہو۔ مجھے نئے لباس میں تم بہت اچھی لگیں مگر میں نے اسے اپنے آپ سے کمتر گردانا کہ رات کے وقت اکیلی مسافر سے وصل کی خواہش کا اظہار کروں۔ یہ بات میں نے ساحل تک پہنچنے پر چھوڑ دی۔ جب ہم کنارے پر اتر گئے تو میں نے تم سے وصل کی اجازت چاہی۔ تم ہنسنے لگیں اور بولیں، تم کیسے مرد ہو کہ کشتی کے سہارے دریا پار کرتے ہو اور مجھ سے وصال کے آرزومند ہو۔ مجبوراً مجھے تیر کر دریا کے اس کنارے جانا پڑا اور دریادار کے کارندوں کی نظریں بچا کر جب میں دوبارہ اس کنارے پر آیا تو تم جا چکی تھیں۔

پھر میں نے نوجوبنا سے کہا، دریا پار کر کے جب میں سرائے میں پہنچا تو تم وہاں روٹیاں پکا رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ سرائے تمھاری ہے۔ تم نے کہا، نہیں، مگر تم آج یہاں میرے مہمان ہو جاؤ۔ میں تمھارا مہمان ہو گیا اور صبح اٹھ کر تمھارے ساتھ سفر پر روانہ ہو گیا۔

مگر جب میں تمھارے ساتھ چلا تھا تو اپنے آبائی کھیت کی روئی سے سُوت کتوا کر ایک کپڑا اپنے کفن کے لیے لے کر چلا تھا، وہ کہاں گیا۔

یہ سن کر نوجوبنا گھبرا گئی اور کہنے لگی، کیا تم وہ کپڑا اپنے کفن کے لیے لائے تھے۔ میں نے کہا، ہاں ضرور۔ نوجوبنا کہنے لگی، وہ کپڑا ایک کفن کے لیے استعمال ہو گیا۔ میں نے کہا، مگر ابھی تو میں زندہ ہوں۔ نوجوبنا کہنے لگی، ایک بار تم نے مجھے حاملہ کر دیا تھا، مگر چوک میں بھگدڑ مچ جانے کی وجہ سے کہاروں سے میری ڈولی چھوٹ گئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ جب میں گھر آئی تو یہی کپڑا مناسب معلوم ہوا جس میں لپیٹ کر بچے کو دفنایا جا سکے۔

میں نے کہا، تم نے میرے کھیت کی روئی کا بہت اچھا استعمال کیا، بہرحال اب جو میں مر جاؤں تو مجھے غیر کی کاشت کی ہوئی روئی میں نہ دفنانا، کسی آگ میں جلا ڈالنا۔

اس مقام تک آ کر میری تلوار مجھ سے کہنے لگی، اے نوجوبنا کے پرستندہ، تو دست برداری کی کس منزل میں آ گیا ہے، دیکھ میں تیری تلوار ہوں، خوں ریز اور بدلہ لینے والی۔ میں نے کہا، میں تلوار اپنی کو پہچانتا ہوں۔ تلوار نے کہا، جسے پہچان لیا جائے اسے تپانا خوب نہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمھیں میری چنداں حاجت نہیں اور تم نوجوبنا کی ناز برداری میں فائز ہو کر خوش ہو۔ میں نے تلوار سے کہا کہ مرد کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے اور اس سے تیری حرمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ تلوار نے کہا، نوجوبنا علانیہ اوروں سے ملتی ہے۔ میں نے کہا، نوجوبنا جہاں چاہے اپنے پڑ رہے مگر اے میری شمشیر میں نے تجھے کفِ غیر سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ تلوار نے کہا، میں اسی دن سے ڈرتی ہوں کہ مبادا تیرے ہاتھ سے چھوٹ جاؤں۔ میں نے کہا، نہیں اگر میں ڈوب کر مرا تو تو میرے ساتھ غرق ہوگی، اگر جل کر مرا تو میرے ساتھ جلے گی، اگر میں دفن ہوا تو میرے ساتھ خاک کی نذر کی جائے گی اور اگر میں میدان میں مارا گیا تو مرنے سے پہلے تجھے توڑ دوں گا تاکہ کوئی اور تجھے استعمال نہ کر سکے۔

اس مقام پر نوجوبنا چپ نہ رہ سکی۔ اس نے کہا، میں نے تم سے کبھی کوئی تقاضا نہیں کیا، مگر اب ضروری ہو گیا ہے کہ تم سے تمھاری تلوار طلب کر لوں۔ میں نے کہا، نوجوبنا، میں نے تمھیں کبھی انکار نہیں کیا، مگر اب مجھ پر بھی ضروری ہو گیا ہے کہ تلوار کو دی ہوئی زبان پر مر مٹوں۔ نوجوبنا نے کہا، یہ نہ بھولو کہ تم صدقے میں خریدے جا چکے ہو۔ میں نے کہا، نوجوبنا، موت پر میرا بھی کچھ حق ہے اور مجھے کب کا معلوم ہے کہ میرا آقا توبہ کا اظہار عام کیے بغیر مر چکا ہے اور میں اس کی خدمت سے آزاد ہوں، اور اگر تمھیں میری جان لینی ہے تو اپنے خدام کو تالی بجا کر بلا لو جو دیوار کے اس طرف مجھ پر پہرہ دے رہے ہیں۔

نوجوبنا کے ہاتھ تالی بجاتے بجاتے رک گئے، مگر میں نوجوبنا کے پاس سے واپس چلا آیا کیونکہ اتنا صبر انسان اور تلوار دونوں پر لازم نہیں تھا۔

دوزبانوں میں سزائے موت

ثوبیہ

ثوبیہ کے خیمے کے باہر بیدِ مجنوں کی ایک نیم بُریدہ شاخ پر ایک سفید رومال لہرا رہا تھا، جس کی پاکیزگی سے ایک دن میں نے اپنا تیر گزار دیا۔ ثوبیہ خواب میں تھی کہ اس نے اپنے رومال کو خون میں تر دیکھا اور اس چاک پر جو رومال میں پیدا ہو گیا تھا، روئی، خیمے سے نکلی اور مجھ سے کہا، ہمیں خون آشامی بھی سکھائی جاتی ہے۔ میں نے کہا، ثوبیہ، میں تمھارے لیے بیدِ مجنوں کی جڑواں شاخ لایا ہوں اور یہ شعر کہے ہیں:

شراب گودام کے پیچھے جنگل میں
میں
وصل کے لیے ثوبیہ کو پکڑنا چاہتا تھا
ثوبیہ ہرن بن گئی
اور میں کمند
ثوبیہ نیل گائے بن گئی
اور میں دلدل
ثوبیہ شیرنی بن گئی
اور میں گھاس سے ڈھکا گڑھا
میں جب ثوبیہ کو
بے بس کر چکا

ثوبیہ
شراب گودام کے پیچھے جنگل کا درخت بن گئی
ثوبیہ کے درخت کی ایک شاخ سے
میں نے تیر بنایا
اور اس رومال کو چھید دیا
جو ثوبیہ کے خیمے کے باہر لہرا رہا تھا
اس سفید رومال کو
جو ثوبیہ کے مضبوط سیے ہوئے خیمے کے باہر لہرا رہا تھا

ثوبیہ نے میری جڑواں شاخ کے دو حصے کر دیے اور کہا، میں تمھارے گیت کو جڑواں کر دیتی ہوں:

تمھارا تیر
درخت بھی ہے اور پرندہ بھی
جسے میں لوری دیتی ہوں
اور تم جگا دیتے ہو
جسے میں گھونسلے میں آرام
اور تم ترکش میں قید دیتے ہو
جسے میں اپنے ہاتھ پر اتارتی ہوں
اور تم کسی کے دل میں
تمھارا ترکش ڈراؤنے خوابوں سے بھرا ہے
جب ہی ایک پرندہ
میرے رومال میں گھونسلا بنانے چلا
میرے معصوم سفید رومال میں

جس پر ابھی میں نے
اپنا نام بھی نہیں کاڑھا تھا

میں نے کہا، ثوبیہ، ریشم بہت سے زخم بھر دیتا ہے اور تمھارا انگشتانہ کبھی سوئی کو تمھاری انگلیوں سے وصل کی حالت میں نہیں لائے گا، مگر جب تم کسی کنویں میں ڈوبنے لگو گی تو میں تمھارے لیے کانٹوں والی گھاس سے ڈور ضرور بنوں گا، چاہے میرے ہاتھ پر زخم اپنی گنتی بھول جائیں۔ ثوبیہ نے کہا، شاید تمھاری لاش پر بھی زخموں کا شمار نہ ہو سکے اور تمھارا تاوان مانگنے والے کبھی تمھارے آخری زخم کی شناخت نہ کر سکیں۔ میں نے کہا، ثوبیہ، میرا تاوان مانگنے والوں کو بددعا نہ دو۔ ثوبیہ نے کہا، غیر خانہ بدوشوں کو ہماری بددعائیں نہیں لگتیں۔ میں نے کہا، اب ہم بددعاؤں کا رقص کرتے ہیں:

بددعائیں جو کسی کو نہیں لگتیں
اور دل جو کسی سے لگ جاتا ہے
دل جو کسی سے لگ جاتا ہے
بھٹکے ہوئے جہاز کی طرح
اس ساحل پر
جہاں اسے لُوٹ لیا جاتا ہے

میری جان
مجھے بددعا نہ دو
مجھے تمھارے ہونٹوں کو چومنا ہے
میرے جہاز کو نہ لُوٹو
مجھے شراب گودام کے پیچھے جنگل کی سب سے خوبصورت لڑکی کو سمندر کے
پار لے جانا ہے

پھر میں نے کہا، اب ہم ہاتھوں کا رقص کرتے ہیں:

ہاتھ جو رقص کرتے ہیں
مضبوط ساخت
اور لچک رکھنے والی ثوبیہ کے
ہاتھوں اور شانے پر
اداس اور خواب آلودہ ثوبیہ کے
ہاتھوں اور شانے پر
ہاتھ جو رقص کرتے ہیں
اگر کاٹ بھی دیے جائیں
تو بھی میں
ثوبیہ کے ساتھ
اتنا ناچوں گا
کہ ثوبیہ اپنی اداسی بھول جائے
ثوبیہ جسے میں نے کبھی نہیں چوما

پھر ثوبیہ نے کہا، تم ہیرے کی کان کا رقص کر سکتے ہو اور اپنے ہاتھ میرے شانے پر رکھ کر شریک ہوئی:

جب میں مر جاؤں گا
ثوبیہ ہیرے کی سِل سے میرا کتبہ بنائے گی

شراب گودام کے پیچھے جنگل

چوروں سے بھر گیا
ثوبیہ، مجھے چھینیوں کے حوالے نہ کرنا
میں ہیروں کی کان میں
دفن ہونا چاہتا ہوں

شراب گودام کے پیچھے کے جنگل میں
ہیرے کی کان
جسے میں نے دریافت کیا
میری ثوبیہ کا دل

رقص سے تھک کر ہم زمین پر بیٹھ گئے۔ثوبیہ نے اپنے بال کھول دیے اور دیر تک اپنے سفید رومال کو لہراتا ہوا دیکھتی رہی، پھر اس نے گنگنانا شروع کیا:

تم نے چاند کا پھول سونگھ لیا
وہ گیت سن لیا
جوان انگور توڑنے والوں کو سنایا جاتا ہے
جن کی شراب
ریگستان پر چھڑکو
تو بارش نہ تھمے

میرے محبوب
اتنا بڑا گلدان کہاں سے لاؤ گے
جس میں چاند کا پھول سجا دو

کل میں نے تمھیں خواب میں دیکھا تھا، میں نے اس سے کہا۔ خواب میں خانہ بدوشوں کو دیکھنا جلد مر جانے کی نشانی ہے، ثوبیہ نے کہا، اور اپنے بالوں میں کنگھی کرنی شروع کر دی۔ جب اس نے انھیں ایک سرخ ڈور سے باندھنا چاہا تو میں نے کہا:

دل نامی ایک پرندہ
تمھارے بالوں سے لٹ لے اڑتا ہے
اور اس سے اپنا
گھونسلا بناتا ہے

چاند جب گھٹنے لگتا ہے
ثوبیہ اپنے بال کنواریوں کی جھیل میں دھوتی ہے
اور انھیں
چار مضبوط چوٹیوں میں قید کر دیتی ہے
یہ جانے بغیر
کہ دل کے چار خانے ہوتے ہیں

ثوبیہ نے اپنے بالوں میں سرخ اور سیاہ رنگ کے پھول سجائے اور مجھ سے باتیں کیں۔ اس نے کہا، خوش بختی انھی دو رنگوں میں ہے۔ وہ اپنی روٹی پھولوں اور اوس سے گوندھتی ہے۔ اس نے کہا، کوئی بھی گھوڑی محبت کی چراگاہ چھوڑ کر نہیں جائے گی، چاہے اسے آسمان کے ستاروں سے جڑی لگام کیوں نہ پیش کی جائے۔ اس نے کہا، دل ایک گھنا جنگل ہے، اور خدا جنگلوں میں رہتا ہے نہ کہ عبادت خانوں میں۔ اس نے کہا، وہ بنی عروس سے ہے جن کی لڑکیاں سردیوں میں اور جاذبِ نظر ہو جاتی ہیں۔ اس نے کہا، بنی عروس کے مرد سردیوں میں خیمہ بند ہو جاتے ہیں اور کہر اور پالے میں اپنی عورتوں کو

گداگری کے لیے بھیجتے ہیں۔ اس نے کہا، بنی عروس کی لڑکیاں صدقہ نہیں اپنے حسن کا خراج مانگتی ہیں۔ اس نے کہا، جب تک کوئی پرندہ اڑتا ہوا نظر نہ آئے، آسمان کا حسن نامکمل رہتا ہے۔ اس نے کہا، وہ خانہ بدوش لڑکیاں خوش قسمت ہوتی ہیں جن کی ماؤں نے انھیں خیمے اور کارواں سے دور جنا۔ اس نے کہا، تمھارے شاعروں کی محبوبائیں حسن وخوبی میں میرے نصف کو بھی نہیں پہنچتیں، پھر بھی کوئی شاعر مجھ پر ایسی نظمیں نہیں لکھتا جو میرے دل کو دو حصوں میں کاٹ دیں۔ اس نے کہا، کسی نے میرے لیے ایک معمولی اینٹ کو بھی دو حصوں میں نہیں توڑا۔ اس نے کہا، جب پل کے اوپر سے ایک جنازہ جا رہا ہوگا، کوئی پل کے نیچے پہلی بار مجھے پیار کرے گا؛ شاید یہ تم ہوگے: تمھارا بوسہ بہت دنوں تک مجھے پریشان رکھے گا، اس گھوڑی کی طرح جس پر آسیب آجاتا ہے اور چراگاہ تنگ ہو جاتی ہے۔ اس نے کہا، ایک رات میں گیت گا رہی تھی کہ خیمے کو آگ لگ گئی۔ اس نے کہا، میں نے اپنا گیت نہیں توڑا؛ گیت اور آگ خانہ بدوشوں کی طرح آزاد ہوتے ہیں، انھیں درمیان میں ختم نہیں کرنا چاہیے۔ اس نے کہا، میں ایک غم میں تپ رہی ہوں، کہیں سے دو پرندے لاؤ، ایک کو میرے نام پر قربان کر دو اور دوسرے کو خون میں رنگ کر اڑا دو۔

رقص کے بعد ثوبیہ نے کہا، خانہ بدوش آدم کی اُس عورت سے اولادیں ہیں جو حوا سے پہلے اس کے تجربے میں آئی۔ اس نے کہا، وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جن کی کوئی تاریخ نہیں؛ بہت دنوں تک خانہ بدوشوں کو پناہ دینے کی سزا موت تھی، سو انھیں تاریخ میں پناہ نہیں ملی؛ تاریخ کے دریا سے خانہ بدوشوں کی کشتی کبھی نہیں گزری۔ ہمارا خیمہ ایک رات سے زیادہ ایک جگہ قائم نہیں رہنے دیا گیا۔ ثوبیہ نے کہا، ہمیں تاریخ کی ریت سے سونا چھاننے پر مامور کیا گیا اور ہماری زندگی بھر کی مزدوری چھین لی گئی؛ پھر بھی ہم خانہ بدوشوں نے کنگھیاں، گھوڑے کی نعل اور آدمی کی تقدیر ایجاد کی۔

اگلے دن جب میں ثوبیہ سے ملا تو اس نے کہا، آج یوم افعی ہے؛ مجھے کوئی سانپ ڈھونڈ دو تا کہ اسے مار کر سال بھر تک خوش نصیب رہ سکوں۔ میں نے کہا، آؤ اس سانپ کو ڈھونڈتے ہیں جس نے شراب گودام کے پیچھے جنگل میں ایک خانہ بدوش لڑکی کے عاشق کو عین ساعت انزال میں ڈس لیا تھا۔ پھر

میں نے ثوبیہ سے پوچھا، اگر ہم کوئی سانپ نہ ڈھونڈ سکے یا اس کو مارنے میں ناکام ہو گئے؟ ثوبیہ نے کہا، ہر ناکامی کا ایک تدارک ہوتا ہے؛ پھر مجھ پر لازم ہو جائے گا کہ میں اپنے بدن پر ایک افعی گدواؤں۔ میں نے کہا، ثوبیہ تم سانپ کہاں گدواؤ گی۔ ثوبیہ نے کہا، جہاں تمھارا دل چاہے۔ میں نے کہا، پھر میں تمھارے بدن پر ایک اژدہا گودوں گا جو تمھاری ایڑی، پنڈلی، ران، پیڑو، کمر اور چھاتیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا؛ اب یہ بتاؤ کہ میں تمھاری بائیں ایڑی کو گودنا شروع کروں یا دائیں۔ ثوبیہ نے کہا، دائیں، کیوں کہ میری بائیں ران پر اوپر کی طرف ایک تل ہے، جس کو میں کبھی کھونا نہیں چاہتی۔ میں نے ثوبیہ کے تل کو چوم لیا اور اس کے ہونٹوں کو بھی۔ وہ اژدہا جسے میں گود نہ سکا، ہم دونوں کے بدن کے درمیان کروٹیں لیتا رہا۔

دوسرے دن ثوبیہ نے مجھے ایک ڈوری دی۔ کہا، اب میں تم سے بندھ گئی۔ میں نے کہا، ثوبیہ اگر تم چاہو تو آسمان سے قوسِ قزح کی ڈور بھی گھاس کی دو معمولی پتیوں میں الجھا سکتی ہو۔ ثوبیہ نے کہا، میں کوئی ایسا جرم نہیں کرنا چاہتی جس کی سزا موت سے کم ہو۔ پھر ثوبیہ نے میرے جوتے کا تسمہ نکال دیا اور اسے اپنی گردن میں سختی سے باندھ کر کہنے لگی، محبت تو فنا اور رسوائی کا عمل ہے۔ اور پھر ہم نے فنا اور رسوائی کا رقص شروع کیا۔

رقص کے بعد ثوبیہ نے کہا، تمھاری بندرگاہیں بنجر، اوکھر اور اوسر ہیں؛ تمھارے ساحل مشکل پسند اور شکست وریخت سے اَٹے ہیں؛ تمھاری گھوڑیاں مغرور اور گھوڑے نااَسپ، تمھاری فصلیں وحشی اور تمھاری کٹائی بے وفا ہے؛ تم برباد شدہ جہاز کا اسباب تلاش کرنے والے، میرے پاس کیوں آئے؟ میں نے کہا، جن آنکھوں کو دیکھنا آ گیا، انھیں دل نہیں توڑنا چاہیے۔ ثوبیہ نے کہا، تم ایک پھانسی پائی ہوئی لاش کے نیچے کھڑے ہو کر بھی گیت گاؤ گے، صرف اس لیے کہ کوئی تمھارے قتل کا انتقام لینے والا نہیں۔ میں نے کہا، ثوبیہ، میں گیت اس لیے گاتا ہوں کہ اپنے آپ کو برداشت کر سکوں۔ اور محبت کا ہے کو کرتے ہو؟ ثوبیہ نے پوچھا۔ تاکہ کسی اور کو بھی برداشت کر سکوں، میں نے کہا۔ ثوبیہ نے کہا، مگر میں تو پورے چاند میں اپنا خیمہ نہیں چھوڑ سکتی۔ میں نے کہا، پھر گہن کا انتظار کرنا چاہیے۔ ثوبیہ نے کہا،

انتظار تو چراغوں کو بجھا دیتا ہے؛ ہم خانہ بدوش تو جھرنے سے پانی اور گائے سے دودھ پیتے ہیں اور رات کو کوئی گناہ نہیں کرتے۔ میں نے کہا، ثوبیہ تم گناہ میں بھی رات اور دن کی تفریق رکھتی ہو؛ کیا تمھارا نام دن کو کچھ اَور اور رات کو کچھ اَور ہو جاتا ہے؟ ثوبیہ نے کہا، میرا نام تو خیمہ بہ خیمہ بدل جاتا ہے، اور سبت کے دن میں کسی بھی نام کا بوجھ نہیں اٹھاتی، اور نہ کوئی گیت گاتی ہوں۔ ثوبیہ نے کہا، نام بھی ایک ایسی ندی ہے جو برف باری میں جم جاتی ہے، مگر کسی کسی کو اپنی جان بچانے کے لیے وہاں بھی پناہ لینی پڑتی ہے۔ میں نے کہا، اگر میں اپنی جان نہ بچا سکا تو کیا وہ میرے مارے جانے کی داستان اپنے خیمے کے الاؤ پر گا سکے گی۔ ثوبیہ نے کہا، جوان خیمہ بدوش لڑکیوں کو کبھی کبھی سچے گیت گانے پر تازیانے بھی لگائے جاتے ہیں۔ میں نے کہا، کیا تازیانہ اسے ننگا کر کے لگایا جائے گا۔ ثوبیہ نے کہا، یہ اس پر منحصر ہے کہ گیت کتنا فحش تھا؛ مگر اب اس بات کو رہنے دو، آج ایک خانہ بدوش ایک الزام کے غلط ثابت ہونے پر رہا ہوا ہے، اب اس کی رہائی کا رقص کرتے ہیں۔

رقص کے بعد بھی میرا ہاتھ ثوبیہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کہا، میں تمھاری تقدیر بتاتی ہوں: تم روحوں کو محبت کے تہہ خانوں میں لے جاؤ گے، تمھارے قدموں پر سوسن اور گلاب ہیں اور تمھارے پیر میں اس سانپ کی بیڑی ہے جس نے خود کو نگل لیا ہے، اگر تم کسی دل تک موت سے پہلے پہنچ گئے تو موت اور تم دونوں باطل ہو جاؤ گے، اور اگر رتھ گزرنے کے بعد پہنچے تو مر جانے والوں کی ملکہ اپنی پوشاک تمھارے خواب کے ایک مسودے سے بنائے گی؛ کوئی تمھیں ایک سیاہ اور ایک سفید ستون سے باندھ دے گا اور تمھارا ہاتھ اس درخت تک نہیں پہنچ سکے گا جسے چھو کر تم اس کے پھلوں کو جواہر میں تبدیل کر دیتے۔ تمھارے آسمان پر ایک ستارہ ہمیشہ ڈولتا رہے گا، یہاں تک کہ تم اسے رتھ سے کچل جانے سے بچا لو گے، تمھارا ترکش ان تیروں سے بھرا ہوگا جن کے سرے زہر آلود ہوتے ہیں، اور تم ایک عکس پر نشانہ آزماتے رہو گے جو اس آئینے میں تم کو نظر آتا ہے جسے ایک برہنہ لڑکی اپنے ہاتھوں میں لیے کھڑی رہے گی؛ ایک دن تم اس کے بالوں سے سرخ گلاب اور اس کی گردن سے طلائی زنجیر کو رہا کر دو گے اور اس کے ہاتھ میں دوہری تلوار دے دو گے، یا ایک میزان جس پر وہ روحوں کا وزن کر سکے۔ مگر تم وہ سیاہ مہتاب ہو جو اپنے رد کرنے والوں پر جنون طاری کر دیتا ہے، اس سے پہلے کہ تمھیں

ایڑیوں سے لٹکا کر پھانسی دی جائے، کوئی تم سے ایک محبت کر چکا ہوگا۔

میں نے ثوبیہ سے کہا، اب میں تمھاری تقدیر بتاتا ہوں: تم وہ برہنہ خواب ہو جس کے ہاتھوں میں طلائی تاج ہے، مگر تم ایک زنگ آلود زنجیر سے اپنے دل کے ساتھ بندھی ہوئی ہو، حالانکہ اگر تم چاہو تو اپنے رتھ میں ایک سیاہ اور ایک سرخ شیر جوت سکتی ہو؛ جب گلاب سے خاموشی رخصت ہو جائے گی تو تم اسے اپنے بالوں میں سجا سکو گی؛ تم لوگوں کی تقدیر کے دھاگے الجھا دو گی، مگر تمھاری شال پر کبھی کوئی پھول نہیں کڑھ سکے گا، ایک دن تمھاری تصویر سے تقدیر بتانے والے تاش کا ایک نیا پتا بنے گا، مگر تمھارے پاس دل یا تلوار یا ہیرے یا کدال کا کوئی بڑا پتا نہیں آئے گا اور کپڑے اتارے بغیر تم تڑپ نہیں چل سکو گی، مگر پھر بھی تم بید مجنوں کے اس درخت کو ہاتھی دانت اور زمرد سے جڑ سکو گی جس پر مجھے پھانسی ہوگی؛ تم آئینوں کے ایک دریا پر اپنے عکس سے پل بناؤ گی اور اس سے گزرنا بھول جاؤ گی؛ پھر بھی جہاں تک تم رقص کر سکو گی، زمین اور پانی اور آگ اور ہوا تمھارے ہیں۔

جب میں ثوبیہ سے دوبارہ ملا، وہ گنگنا رہی تھی:

''میری دو آنکھیں ہیں
میرے دو پیر ہیں
اے دُکھ
میری آنکھوں سے
میرے پیروں میں
میرے پیروں سے
مٹی میں
مٹی سے
موت کے پاس چلا جا''

میں نے اسے کہا، ثوبیہ، تم دکھ کو بھی سفر پر روانہ کر دیتی ہو۔ ثوبیہ نے کہا، اگر میں سیاہ گھوڑے کو اپنی انگلیوں سے چھو دوں تو وہ سفید ہو جائے۔ میں نے کہا، کیا تم اپنی انگلیوں کو اڑنا نہیں سکھا سکتیں، کہ مجھے تو وہ ان ابابیلوں کی طرح لگتی ہیں جو قید میں جان دے دیں۔ ثوبیہ نے کہا، اگر تم میرے جسم کے ہر حصے کو ایک پرندے کا نام دے کر اُڑا دو تو شاید تمھارا آسمان بھر جائے۔ مگر میں ایک خانہ بدوش ہوں اور ابھی ہماری زبان میں ستارے کے لیے کوئی لفظ وضع نہیں ہوا۔ میں نے کہا، ثوبیہ، تمھاری آنکھوں کا کیا نام ہے؟ ثوبیہ نے کہا، میری آنکھوں کا نام جان کر کیا کرو گے؛ تم ستاروں کو اپنی قربانی کے پتھر پر نہیں لٹا سکتے۔ میں نے کہا، مگر میں قربانی کے پتھر اور تمھاری آنکھوں کے اعزاز میں تمھارے ساتھ ناچ تو سکتا ہوں۔

پھر جب ہم ملے تو ثوبیہ نے کہا، غلاموں میں سب سے کم قیمت خانہ بدوش لڑکیاں ہوتی ہیں، اور خریدی جانے والی چیزوں میں سب سے مہنگی آزادی ہے؛ تم میری قبر پر کانٹے لگا دینا کہ میری روح کبھی باہر نکلنے کا خواب نہ دیکھ سکے، اور محبت پر اتنا انحصار نہ کرنا کہ محبت تو کسی کو بھی ایک سرخ و تازہ سیب پیش کر کے شروع کی جا سکتی ہے۔ دل ایک آگ کا مفلس کیا ہوا ہے؛ تمھاری محبت کی گیلی چادر اگر میرے ساتھ جل گئی تو یہ نہ خیال کرنا کہ اس میں آسمان کے ستارے نہ ٹک سکتے تھے، یا زمین کے پھولوں کی کیاریاں نہ سما جاتیں، دل تو ایک یخ زدہ معصوم پرندہ ہے جسے تم اپنی محبت کی سرخ اور سفید اُون سے ڈھک رہے ہو؛ اگر آسمان سے کوئی ستارہ سردی سے ٹھٹھر کر مر گیا تو یہ سرخ اور سفید رنگ کس کام آئے؟ زندگی خانہ بدوش کا خیمہ نہیں ہے کہ آسانی سے کھڑا ہو اور آسانی سے اُکھڑ جائے، مگر آج میں ایک عمارت ساز کی تقدیر پڑھنے گئی تھی اور وہاں سے ایک مکان کا نقشہ چرا لائی ہوں؛ یہ مکان ان پتھر کی سلوں سے بنے گا جو اپنے وزن میں آنسوؤں سے بھی ہلکی ہیں؛ ان سلوں کو شہد اور خون سے جوڑا جائے گا؛ اس کی دیواروں پر وہ آئینے پیوست ہوں گے جن کی ہم آغوشی کبھی ختم نہ ہو گی؛ اس کے صحن میں سیاہ گلاب کھلیں گے جن کی خاموشی ایک دل توڑنے کی کوشش کرتی رہے گی؛ میں اپنے لیے تین منزلیں رکھوں گی، پہلی پر ملبوس رہوں گی، دوسری پر نیم برہنہ، اور تیسری پر اپنا جسم لباس سے آلودہ

نہیں کروں گی ؛ اور ہر منزل پر تین کمرے ہوں گے، ایک میں تم سے اِستادہ، دوسرے میں نشستہ اور تیسرے میں اُفتادہ ملوں گی۔ پھر اس نے نقشہ میرے ہاتھ میں دے دیا اور کہا، میرا دل ان سیڑھیوں کا رقص کرنے کو چاہ رہا ہے جن کا ذکر میں فراموش کر گئی۔

ثوبیہ رقص کرتے کرتے بیدِ مجنوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئی۔ جب میں اس تک پہنچا وہ ایک ویران کنویں میں جھانک رہی تھی۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا، کیا یہ پانی یہاں قید ہے یا یہ اس کا گھر ہے؟ میں نے کہا، پانی خانہ بدوش ہوتا ہے۔ ثوبیہ نے کہا، مگر ڈول کی رسّی تو خانہ بدوش نہیں ؛ یہ وہی رسّی ہے جس سے ایک خانہ بدوش کو پھانسی دی گئی تھی۔ پھر اس نے ڈول کھینچا اور رسّی میرے ہاتھ میں دے کر کہنے لگی، آج میں پانی اور موت کا رقص کروں گی، تم مجھے ڈول سے کنویں میں اتار دو۔ میں ڈول اور ثوبیہ کو کنویں میں اتارتا گیا، یہاں تک کہ وہ پانی کی سطح پر پہنچ گئی اور اب میں یہ نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ اس کی آنکھوں کا رنگ ہلکا سبز ہے یا گہرا۔ پھر میں نے ڈول کو اور نیچا کر دیا، یہاں تک کہ پانی ثوبیہ کی گردن کو چھونے لگا۔ پھر اس نے اپنا رقص شروع کیا جسے میں نے اس کے بالوں اور بازوؤں کی گردش سے دیکھا اور اس کے پیروں کی حرکت سے اپنے ہاتھ کی رسّی میں محسوس کیا۔ پھر ثوبیہ نے اپنے ہاتھ پانی میں چھپا لیے اور اپنی گردن ڈھلکا کر بالوں کی لٹیں بھگونے لگی۔ جب وہ بہت دیر کے لیے ساکت ہو گئی تو میں نے ڈول اوپر کھینچنا شروع کیا۔ بے صبر، وہ چلائی، اور میں یہ جان سکا کہ اس نے اپنا بالائی بدن برہنہ کر دیا ہے۔ ثوبیہ کے شانے اور چھاتیاں اتنے چمکدار اور گلابی تھے کہ میں نے سمجھا کہ انھیں سیپ کی اندر کی سطح سے بنایا گیا ہے، اور یہ بھی کہ میری زبان میں کوئی ایسا لفظ وضع نہیں ہوا جو اس کی چھاتیوں کی ساخت اور حسن کو ادا کر سکے۔ جب تک وہ میرے روبرو آ سکیں، میں انھیں چومنے سے پہلے یہ سوچ سکا کہ اگر میں کبھی صاحبِ اقتدار ہو گیا تو اپنے سکّوں پر یہی دو پھول کندہ کرواؤں گا۔ ثوبیہ جب کنویں سے باہر آئی تو اس نے کہا، میں سمجھتی تھی کہ بے اختیاری میں تم ڈول کی رسّی کو ہاتھوں سے چھوڑ دو گے۔ میں نے کہا، ثوبیہ، میں تیرے بدن کو بھی عزیز رکھتا ہوں اور اس رسّی کو بھی جس پر پھانسی دی جائے۔

ایک دن ثوبیہ نے کہا، میں نے تم سے بہت سی باتیں کرلیں، اب پہیلیاں بوجھتے ہیں۔ ثوبیہ نے پوچھا، کون اس طرح زندہ ہے کہ سر مٹی میں اور پاؤں باہر ہیں؟ میں نے کہا، میں نہیں بوجھ سکا۔ ثوبیہ نے کہا، چار شاہزادیاں ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے کو پکڑ نہیں سکتیں۔ میں نے کہا، میں نہیں بوجھ سکا۔ ثوبیہ نے کہا، کون پانی کے اوپر اور پانی کے نیچے، اور جنگل کے اوپر اور جنگل کے نیچے جارہا ہے؟ میں نے کہا، میں نہیں بوجھ سکا۔ ثوبیہ نے کہا، اگر تم پیاز، پن چکی اور اس نوجوان لڑکی کو نہیں بوجھ سکے جو لکڑی کے پل پر لکڑی کے ڈول میں پانی اپنے سر پر لیے جارہی ہے تو اس کھیل میں کیا رہ گیا؛ مگر آج میں جیتی اور ہاری ہوئی پہیلیوں کا رقص کرنا چاہتی ہوں۔ میں ثوبیہ کے ساتھ ناچنے لگا اور اس وقت تک ناچتا رہا جب تک مجھے پہیلیوں کے نہ بوجھنے کا غم فراموش ہوسکا۔

دوسری صبح جب میں ثوبیہ سے ملنے گیا تو اس کا خیمہ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ میں اس کی تلاش میں نہیں گیا کیونکہ زمین سمجھ میں نہ آنے والی پہیلیوں اور آسمان مردہ ابابیلوں سے ڈھکا تھا۔

اگر تم تک میری آواز نہیں پہنچ رہی ہے

اگر تم تک میری آواز نہیں پہنچ رہی ہے
اس میں ایک بازگشت شامل کرلو
پرانی داستانوں کی بازگشت

اور اس میں
ایک شاہزادی
اور شاہزادی میں اپنی خوبصورتی

اور اپنی خوبصورتی میں
ایک چاہنے والے کا دل

اور چاہنے والے کے دل میں
ایک خنجر

زندہ رہنے کی آخری تاریخ

ہماری سانسوں کی کوئی
شناختی دُھن نہیں
اور ہمارے خون کو
آبی صابن سے بہ آسانی دھویا جا سکتا ہے
پیشگی اجازت کے بغیر
ہم اپنی برساتی
یا اپنے جوتوں کا رنگ تبدیل کر سکتے ہیں
خواب میں
ایک لڑکی کو آرائشی شمع دان
یا دو مستول کا جہاز دینے پر
ہمیں تنبیہ نہیں کی جاتی
چکردار زینے کی خالی سیڑھی پر
ہمیں ایک بوسے کی انتظار کرنے کی سہولت
حاصل ہے
ہمارے زندہ رہنے کی آخری تاریخ نکل چکی ہے

ایک نئی زبان کا سیکھنا

سمندر کے قریب
ایک عمارت میں
جہاں میرے
اور پڑوس کے کتے کے سوا
کوئی تنہا نہیں پہنچتا
میں ایک نئی زبان سیکھ رہا ہوں
اپنے آپ سے باتیں کرنے کے لیے

تم خوبصورت دائروں میں رہتی ہو

تم خوبصورت دائروں میں رہتی ہو
تمھارے بالوں کو
ایک مدوّر ربن
فرض شناسی سے تھامے ہوئے ہے
ایک بیش قیمت زنجیر
تمھاری گردن کی اطاعت کر رہی ہے

کبھی غلط نہ چلنے والی گھڑی
تمھاری کلائی سے پیوست ہے

ایک نازک بیلٹ
تمھاری کمر سے ہم آغوش ہے

تمھارے پیر
ان جوتوں کے تسموں سے گھرے ہیں
جن سے تم ہماری زمین پر چلتی ہو

میں اُن چھپے ہوئے دائروں کا ذکر نہیں کروں گا
جو تمھیں تھامے ہوئے ہو سکتے ہیں
انھیں اتنا ہی خوبصورت رہنے دو
جتنے کہ وہ ہیں

میں نے تم پر کبھی
خیالوں میں کپڑے اتارنے کا کھیل نہیں کھیلا

تم خوبصورت دائروں میں رہتی ہو
اور میں مشکل لکیروں میں
میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں
سوائے
اپنے منہ میں اس گیند کو لے کر تمھارے پاس آنے کے
جسے تم نے ٹھوکر لگائی

نظم

تم آ جاتی ہو
ہر روز نئے لباس میں
اپنی خوبصورت آنکھوں کو
ایک نئی زبان سکھانے کے لیے
تمھاری جھکی ہوئی گردن
اور شانے کے درمیان
مجھے اپنے دل کے لیے
ایک نیا شکنجہ مل جاتا ہے

کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوے
تمھاری آنکھیں
میرے چہرے پر ٹھہر جاتی ہیں

نیا جملہ بولتے ہوے
میری زبان
تمھارے دانتوں کے نیچے آ جاتی ہے

شاید
ہم اس کھڑکی سے
سمندر کی طرف
ملبہ فروشوں کے ہجوم کو
(جو ایک جہاز کو توڑ رہا ہے)
نظر انداز کرتے ہوئے
دور تک ساتھ چل سکتے ہیں

شاید ہم اس پل سے گزر سکتے ہیں
جسے مخدوش قرار دے دیا گیا ہے
اور ان بنچوں پر بیٹھ سکتے ہیں
جن کا رنگ ابھی نہیں سوکھا

مجھے اس باغ میں جانے دو

مجھے اس باغ میں جانے دو
جہاں سیب توڑے جا رہے ہیں

مسخروں کے خیمے
اور اسلحہ خانے کی چھت سے گزر کر
مجھے اس باغ میں جانے دو
جہاں سیب توڑے جا رہے ہیں

تمھاری اتالیق
رات کی دعا میں مصروف ہے
اور مستخدمہ
دودھ ابال رہی ہے

مجھے اس باغ میں جانے دو
جہاں سیب توڑے جا رہے ہیں

سستے سلے ہوئے لباس

اور ٹوٹی ہوئی نیند میں
مجھے اس باغ میں جانے دو
جہاں سیب توڑے جا رہے ہیں

نظم

جہاں تم یہ نظم ختم کروگی
وہاں ایک درخت اُگ آئے گا

شکار کی ایک مہم میں
تم اس کے پیچھے ایک درندے کو ہلاک کروگی

کشتی رانی کے دن
اس سے اپنی کشتی باندھ سکوگی

ایک انعام یافتہ تصویر میں
تم اس کے سامنے کھڑی نظر آؤ گی
پھر تم اسے
بہت سے درختوں میں گم کردوگی
اوراس کا نام بھول جاؤ گی
اور یہ نظم

تم ایک بوسہ ہو

تم خون اور لکڑی کے برادے سے بھرے
پروسینیم پر لیا ہوا
ایک بوسہ ہو

تمھاری خوبصورتی پر
ہیلن کو تقسیم
اور اسپارٹا کو تباہ کیا جا سکتا ہے

ایک معتوب زندگی
جو ایک دن
چکلے پر توڑ دی جائے گی
تمھیں جاننے کے بعد
نامناسب نہیں لگتی

زرینہ

زرینہ جسے میں نے اِصطرلاب اور قطب نما کی مدد سے ڈھونڈا، مجھ سے تین زبانوں میں گویا ہوئی، اور پانی کی زبان میں بھی جسے ابھی رائج ہونا ہے۔ سحرِ مشارک کے تحت امتناعِ خورد ونوش کے آغاز پر کارگاہوں اور درس گاہوں کا نظام الاوقات تبدیل ہو چکا تھا، اور زرینہ، جسے خشکی پر ہونے والے اختلافات سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہوگی، پرانی تقویم ملحوظ رکھتے ہوئے درس گاہ اس وقت پہنچی جب کتابیں اور دیواریں بند کی جا چکی تھیں۔ میں نے اس دن درس گاہ نہیں چھوڑی تھی، اور قریب تھا کہ مجھے مقفل کر دیا جاتا کہ وہ نظر آئی اور اس نے مجھے میرا مجموعہ لوٹایا۔ خود فراموشی میں مجموعہ اسے پیش کرتے ہوئے میں کسی بھی زبان میں یہ کہنے سے رہ گیا تھا کہ یہ اس کی نذر ہے۔ پھر بھی خدائے آب کی قسم پر اس نے اعتبار کیا اور مجموعے کو اپنی تحویل میں رکھا؛ اس نے بہت سی نظموں کی تہیں کھولیں اور جانا کہ تاریخ میں شاعروں سے محبت نہیں کی گئی، اور یہ اس کے لیے اور بھی دشوار طلب ہے جس کا ستارہ اور دل پانی سے بنا ہو۔ مگر اس کی آنکھیں، جو کسی تعارف کی محتاج نہیں، اس سوال سے نہ رک سکیں کہ اگر وہ صبح بختیں کو کشتی رانی میں تفوق حاصل کر سکے تو کیا میں اپنا زیرِ ترتیب مجموعہ اس کے نام کر سکوں گا؟ خاص طور پر اس صورت میں جب اس نے مجھے میرے شہر کا وہ مقام بتا دیا تھا جہاں سے سمندر سب سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے اور میں پہرے داروں کو رشوت دے کر ایک پورا دن وہاں گزار آیا تھا۔ زرینہ اس دن وہاں نہیں تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں سمندر سے محبت میں شرک کروں۔ وہ ایک اور دن وہاں بھی نہیں تھی، جب میں کشتیوں کے تہہ خانے اور کشتی رانوں کی طعام گاہ میں اسے تلاش کرنے گیا تھا؛ پھر بھی جب وہ بے قصور کتب خانے سے نکال دی گئی تھی، میں اس کی دل جوئی کے لیے وہاں تھا؛ اور تصویروں کی نمائش کی چار دیواری میں اس کے ساتھ قید اور آزاد ہوا۔ آخری بار

جب میں اس سے جدا ہو کر اپنی مسافت طے کر رہا تھا، وہ اپنی سواری لے کر میرے سامنے آئی اور اس نے کہا، یہ نامناسب ہے کہ میں تمھیں تمھاری رہائش گاہ تک نہ چھوڑ آؤں۔ مگر اسے باغِ حیوانات اور اس سے متصل قلبِ شہر کا کوئی علم نہ تھا، اور اس طرح جہاں اس کا دل چاہتا وہ مجھے اتار سکتی تھی۔ جب تک ہم اس پل کو پار کر سکتے جو میرے شہر میں انبساط کو حزن سے الگ کرتا ہے، اس نے مجھ سے چند سوالات پوچھے، جو جلد یا بدیر ہر تعلق قائم کرنے یا توڑنے والا ضرور پوچھتا ہے۔ میں نے اسے حزن کے خطے میں دور تک لے جانا پسند نہیں کیا، اور یہ پوچھے بغیر کہ میں اس سے کب اور کہاں دوبارہ مل سکتا ہوں، پل کے قدموں میں اتر گیا۔ میں اس سے پھر کبھی نہیں ملا۔ میں نے اسے نظارۃ البحر کی سیڑھیوں پر، بادبانوں کی دکانوں کے پاس اور بحری مسافر خانوں میں بہت تلاش کیا۔ وہ نیلی روشنائی جو ایک دن سبق کے دوران اس کی کلائی پر پھیل گئی تھی، مجھے یاد دلاتی رہے گی کہ میں اسے سمیٹ کر ایک نظم بنا سکتا تھا۔

زرینہ اگر سمندر سے بہت قریب ہے تو اسے میرا متشکّر ہونا چاہیے کہ میں مقناطیس کی مدد سے اسے پانی سے دور بھی کر سکتا تھا۔

جس کا کوئی انتظار نہ کر رہا ہو

جس کا کوئی انتظار نہ کر رہا ہو
اسے نہیں جانا چاہیے
واپس
آخری دروازہ بند ہونے سے پہلے

جس کا کوئی انتظار نہ کر رہا ہو
اسے نہیں پھرنا چاہیے
بے قرار
ایک خوبصورت راہداری میں
جب تک وہ ویران نہ ہو جائے

جس کا کوئی انتظار نہ کر رہا ہو
اسے نہیں جدا کرنا چاہیے
خون آلود پاؤں سے
ایک پورا سفر

جس کا کوئی انتظار نہ کر رہا ہو

اسے نہیں معلوم کرنی چاہیے
پھولوں کے ایک دستے کی قیمت
یا دن، تاریخ اور وقت

شاعری کی اصناف

یہ جانے بغیر کہ خانہ بدوشی ایک فلسفہ زندگی کا نام ہے اور شاعری کی مشکل اصناف میں داخل ہے، وہ دریدہ قناتوں والی ایک منڈلی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور ڈوریوں پر چلنے والیوں کا خواب دیکھنے لگا؛ مگر ابھی اس کی ڈوریاں بٹ نہ پائی تھیں کہ اس کے روبرو ایک غیر خانہ بدوش لڑکی آئی جس نے اسے خانہ بدوشی سے کئی نوری سال کے فاصلے پر پہنچا دیا۔ اس تجربے سے اسے روشنی اور خون کی پرچھائیں لگ گئی اور وہ پرندوں کی ایک فروش گاہ میں ایک خوبصورت پروں والی نو شگفتہ اور نو پرواز طائرہ کے خواب کی قیمت پوچھنے لگا، یہاں تک کہ اس کی آواز کی چرخی ہاتھ سے چھوٹ کر پرواز کر گئی۔ پرندوں کی فروش گاہ کے نگراں نے اسے ایک عمارت کی دیوار سے چپکا دیا: اور یہیں سے ایک دن وہ بار برداری کے اخراجات اور ڈیڑھ وقت کے راتب کے عوض ایک کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا، جہاں کسی نے اس سے کلام کیا۔ خون کی سب سے زندہ بوند جو اس کے بدن میں ہے اور کبھی کبھی اس کی آنکھوں میں اپنے کپڑے اتارنے لگتی ہے، اس لڑکی کی آواز ہے، جو اس نے سنی، اور اسے پتا چلا کہ کاغذ کے پھول، گلدان کا شیشہ، دیوار کی اینٹ، دروازے کی لکڑی اور یہاں تک کہ وہ خود بھی بول سکتا ہے، جس زبان اور جس لہجے میں وہ چاہے۔ اس نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا، مگر روشنی کے مینار کی طرح، جسے شاید لہریں بھی نہیں چھوتیں، اس نے جانا کہ سمندر کیسا ہے اور تلاطم کہاں کہاں۔ خون کی یہ زندہ بوند جو کبھی اس کی انگلیوں کی تابع تھی، اچانک اس کے بدن میں کھو گئی۔ یہیں سے وہ ایک تلخ آدمی بنتا گیا اور اب اسے ایک دشمن چاہیے تھا۔ مدتوں بعد اسے پتا چلا کہ دوست اور دشمن دونوں ایک گم شدہ خوش قسمتی کے نام ہیں۔ مگر اب اس نے صبر نہیں کیا اور اپنے باپ کے فردِ جرم میں نظمیں لکھ ڈالیں۔ اس خودساختہ دشمنی نے، جو ایک دن پختہ ہو گئی، اسے اپنے باپ کی آنکھوں میں اس لڑکی کا چہرہ ڈھونڈنے

کی توفیق دی جسے وہ اپنی ماں کہہ سکے، یا نہ کہہ سکے۔ انھی دنوں اس حوالات میں، جو اس کا گھر تھا، اس کی ضمانت ہوگئی۔ رہا کرانے والوں نے باون پریوں سے اس کی دوستی کرادی۔ نفس کشی کی تربیت اور خودکشی کے رجحان نے مل کر اس میں ایک جواری کی سی کاٹ پیدا کردی۔ جا وہ خوب کھیلا مگر اپنے آپ کو ہار نہ سکا۔ تب اس نے ایک عجیب بازی کھیلی اور ایک معلّمہ سے زندگی میں شراکت کرلی۔ خون کی وہ بوند جو اس کی آنکھوں میں اپنے کپڑے اتارتی تھی، معلّمہ کی سفید چاک میں جذب ہوگئی۔ بہت عرصے بعد ایک دن جب معلّمہ نے چاک سے سیاہ تختے پر ایک نوشگفتہ اور نو پرواز طائرہ کی تصویر کھینچی تو وہ تصویر پرواز کرگئی۔ جب یہ واقعہ اس تک پہنچا تو وہ ان خانہ بدوش لڑکیوں کا خواب دیکھنے لگا جو بنا ڈوریوں کے ہوا پر چل سکتی ہیں، یہ جانے بغیر کہ اس نوع کی خانہ بدوشی شاعری کی سب سے مشکل صنف شمار کی جاتی ہے۔

زندہ رہنا ایک میکانیکی اذیت ہے

زندہ رہنا ایک میکانیکی اذیت ہے
ہم سمجھ سکتے ہیں
اپنی شرم گاہوں کو گہرا کاٹ کر
مرجانے والی لڑکیاں
کیوں کوئی الوداعی خط نہیں چھوڑتیں
اور بچوں کی ہڈیاں
کیسے
درحت کی سبز ٹہنی کی طرح مڑ جاتی ہیں

یہ درخت پاکستان میں ہر جگہ پایا جاتا ہے

ہم جانتے ہیں
ضیافت کی کس میز پر
سینیوں کو ہمارے ملک کے پرچم سے چمکایا جا رہا ہے
مگر
گواہ چار قسم کے ہوتے ہیں
اور فیصلہ ہمیشہ صاف حرفوں میں لکھا جاتا ہے

ہم اس لڑکی کی طرح نہیں
جو رضامندی دینے کا مطلب نہیں سمجھتی
اور ملکہ کی کالی بریزیئرز
اور تین ہزار جوتیوں کو
چومنے سے متنفر ہے

ہمیں دیا گیا زہر
ہمارے جسم سے آنسوؤں کے ذریعے خارج نہیں ہوگا

وینیشین بلائنڈ سے جھانک کر
ہم دیکھ سکتے ہیں
آبی بھیڑیے کس طرح
ہماری عورتوں کو حاملہ کر رہے ہیں
اور ہماری مساواتیں
کہاں حل ہو رہی ہیں

پھر بھی ہماری ذمے داری ہے
اس شخص کو،
جو اپنی انگلیوں کے سروں سے
نظر نہ آنے والے دھاگے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے،
بتا دیں
زندہ رہنا ایک تصوراتی اذیت بھی ہے

آندروس آئی لینڈ

آندروس آئی لینڈ
جو اپنے غرق ہونے کا کام مکمل کر چکا تھا
غیر متوقع
ہمارے بدنصیب ساحل پر
اس جگہ سے تھوڑی دور
جہاں ایک رقص گاہ
مکمل ہونے سے رہ گئی ہے
نمودار ہوا

آندروس آئی لینڈ
اپنے ایک بھیانک خواب میں
ہمارے نامراد ساحل پر آ گیا

یہ تکلیف زدہ جہاز
اس شکاری کتے کی طرح
جو غلط بو پر لگا دیا گیا ہو
ہمارے بدصورت ساحل پر چڑھ آیا

''ہم نے پہلے کوئی ڈوبا ہوا جہاز نہیں دیکھا''
پارسیوں کی آخری نسل
اور سیلونی پناہ گزینوں نے
ہمیں بتایا
جلد ہی
سمندر اور محبت کا تجربہ کرنے والے
ہمارے شکست خوردہ ساحل پر
اپنی شاموں میں
آندروس آئی لینڈ کو شریک کرنے لگے

کوئی اس پر
موسم بہار کا پرچم لہرا دیتا ہے

کچھ لوگ
اسے خرید لیں گے
اور
توڑ ڈالیں گے

میں زندگی کو استعمال کرنا چاہتا ہوں

میں زندگی کو استعمال کرنا چاہتا ہوں
کسی ایپک کے لکھنے میں نہیں
امیرالبحر کے مجسمے کے پاس
اعزاز حاصل کرنے کی تقریب سے الگ
نیم ملبوس لیزا کی ترغیب کے باوجود
کیسینو کی سلوٹ نہ بھرتے ہوئے
خوابوں سے گھری
گواتاویتا کی جھیل کی تلاشی لیے بغیر
لیما کے ایک اسپتال میں
جسم فروش لڑکی کی لاش پر چادر نہ پھیلاتے ہوئے
ایک معمولی بارش کے نیچے
تمھاری محبت میں
تمھیں یہ بتائے بغیر
استعمال کے بعد
پھینک دینے کی چیز ہے
زندگی

خشک ہوتی ہوئی بندرگاہ

می شام لی اسٹریٹ پر
رہنے والی شمائلہ
غنی کو چاہتی ہے
جو ایک افسوس ناک ملازمت پر جاتے ہوے
اس کے گھر کے سامنے سے
گزرتا ہے

پولیس ہیڈکوارٹرز کے احاطے میں قید
بادام کے درختوں تک
پہنچ کر
غنی
اسے دن بھر کے لیے فراموش کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوتا ہے

ایک بدوضع کھڑکی
جس کی تعمیر کی درجہ بندی نہیں کی جاسکتی
ہر صبح کھل جاتی ہے
ایک شخص کو اس بندرگاہ کی مخالف سمت جاتے ہوے

دیکھنے کے لیے
جو خشک ہو رہی ہے

مجھے ایک کاسنی پھول پسند تھا

مجھے ایک کاسنی پھول پسند تھا۔ اس سے میرا اشارہ اس لڑکی کی طرف ہے جسے میں نے چاہا۔ میں اس کا نام بھی لے سکتا ہوں، لیکن دنیا بہت گنجان آباد ہے۔ وہ مجھے جڑواں پلوں پر ملی تھی، جو میرے گھر سے دور ایک جھیل پر بے خیالی میں ساتھ ساتھ بنا دیے گئے تھے۔ ہم ایک پل پر ساتھ چلتے اور کبھی الگ الگ پلوں پر ایک دوسرے کے ہاتھ تھامتے۔ میں نے اپنی پہلی مزدوری سے کیلیں خریدیں اور پل کے اکھڑے ہوئے تختوں کو جوڑنے کے درمیان اس کی آنکھوں کے لیے ایک شعر بناتے ہوئے ایک کیل کو اپنی ہتھیلی میں اتارا، اور معلوم کیا کہ میں لکڑی کا بنا ہوا نہیں ہوں۔ شاید وہ پل کسی خانہ جنگی میں جلا دیا گیا ہو۔ میں زندگی بھر پھر کسی پل کے لیے کیلیں نہیں خرید سکا۔

جس سے محبت ہو

جس سے محبت ہو
اسے نکال لے جانا چاہیے
آخری کشتی پر
ایک معدوم ہوتے ہوئے شہر سے
باہر

اس کے ساتھ
پار کرنا چاہیے
گرائے جانے کی سزا پایا ہوا
ایک پل

اسے ہمیشہ مختصر نام سے پکارنا چاہیے

اسے لے جانا چاہیے
زندہ آتش فشانوں سے بھرے
ایک جزیرے پر

اس کا پہلا بوسہ
لینا چاہیے
نمک کی کان میں بنی
ایک اذیت دینے کی کوٹھری کے
اندر

جس سے محبت ہو
اس کے ساتھ ٹائپ کرنی چاہیے
دنیا کی تمام ناانصافیوں کے خلاف
ایک عرضداشت
جس کے صفحات
اڑا دینے چاہییں
صبح
ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی سے
سوئمنگ پول کی طرف

آخری دلیل

تمھاری محبت
اب پہلے سے زیادہ انصاف چاہتی ہے
صبح بارش ہو رہی تھی
جو تمھیں اداس کر دیتی ہے
اس منظر کو لازوال بننے کا حق تھا

اس کھڑکی کو سبزے کی طرف کھولتے ہوے
تمھیں ایک محاصرے میں آئے دل کی یاد نہیں آئی

ایک گمنام پل پر
تم نے اپنے آپ سے مضبوط لہجے میں کہا:
مجھے اکیلے رہنا ہے

محبت کو تم نے
حیرت زدہ کر دینے والی خوش قسمتی نہیں سمجھا

میری قسمت جہاز رانی کے کارخانے میں نہیں بنی

پھر بھی میں نے سمندر کے فاصلے طے کیے
پراسرار طور پر خود کو زندہ رکھا
اور بے رحمی سے شاعری کی

میرے پاس ایک محبت کرنے والے کی
تمام خامیاں
اور آخری دلیل ہے

کیا محبت کہیں کھو گئی

کیا محبت کے لیے
کبھی تمھارا لباس سرنگوں نہیں ہوا
یا تمھارا دل
آراستہ بالکنیوں سے
فاختاؤں کے ساتھ ہوا میں بلند نہیں کیا گیا

میں نے رقص کو فاصلے
اور رقاصہ کو قریب سے دیکھا
وہ تھک کر میرے زانو پر سو سکتی تھی
مگر وہ اپنے دل سے تیز نہیں ناچ سکی

کیا تم اپنے دل سے تیز ناچ سکتی ہو

میں نے دیر تک
اپنے ساتھ کی نشست پر تمھیں محسوس کیا

کیا میرا دل ایک خالی نشست ہے

جس کا ٹکٹ تم سے کھو گیا
کیا محبت کہیں کھو گئی

ہم نے اپنے کمرے میں
مصنوعی آتش دان بنایا
اور ایک دوسرے سے
اجنبی کی طرح ملے

پھولوں کی نمائش کے دن
تم الوداعی بوسہ دیے بغیر
چلی گئیں

باہر بارش ہو رہی تھی

ایک چھتری میرے دل میں بند رہ گئی

اگر ہم گیت نہ گاتے

ہمیں معنی معلوم ہیں
اس زندگی کے
جو ہم گزار رہے ہیں

ان پتھروں کا وزن معلوم ہے
جو ہماری بے پروائی سے
اُن چیزوں میں تبدیل ہو گئے
جن کی خوبصورتی میں
ہماری زندگی نے کوئی اضافہ نہیں کیا

ہم نے اپنے دل کو
اس وقت
قربان گاہ پر رکھے جانے والے پھولوں میں
محسوس کیا
جب ہم
زخمی گھوڑوں کے جلوس کے پیچھے چل رہے تھے

شکست ہمارا خدا ہے
مرنے کے بعد ہم اسی کی پرستش کریں گے
ہم اس شخص کی موت مریں گے
جس نے تکلیفوں کے بعد دم توڑا

زندگی کبھی نہ جان سکتی
ہم اس سے کیا چاہتے تھے
اگر ہم گیت نہ گاتے

نظم

ہر روز
میں ایک بار پھر تمھاری محبت میں گرفتار ہو جاتا ہوں
دارالحکومت میں خزاں تھی
اور یخ زدہ خیابان میں میں تمھارا ہاتھ تھامے
بھٹک رہا تھا

ہر موڑ پر تمھارا بوسہ لیتے ہوئے
ہوٹل کے کمرے میں
ہلکے سبز کمبل کے نیچے
تم میرے ساتھ تھیں
یہ بالکل تم تھیں
جسے میں اپنے پسندیدہ شاعر کی نظمیں
پڑھ کر سنا رہا تھا
جب شام پڑ رہی تھی

میزبان

تم ایک اچھی میزبان ہو
میرے لیے وہ سیب لے آتی ہو
جس پر تمھارے دانتوں کے نشان ہیں
اور خون آلود انار
اور ایک نظم
اور ایک چھری
جو چیزوں کو ٹیڑھا کاٹتی ہے

محبت

تمھارے قدموں کے لیے
میرا دل
اس پل کی طرح ہے
جو پانی کی سطح سے نیچے رہ گیا

میں نے اپنے آپ کو
اس کتے کی طرح بے وقعت کر دیا
جو نئے مالک کو اپنا نام نہیں بتا سکتا
اور پرانا مالک کسی حادثے میں مارا جا چکا

میں نے اپنے آپ کو نا کام کر دیا
خود کو ایک دردناک موت تک لے جانے
اور ایک فحش بازاری نوحہ ترتیب دینے میں
جسے تم اپنا کوئی آنسو خشک کرنے کے لیے
سفید رومال کی جگہ استعمال کر سکتیں

میرے جوتوں میں راکھ بھری ہے

اور میرے پیر غائب ہیں

محبت کوئی علم
کوئی ہتھیار، کوئی حلف نہیں
کہ آسانی سے اٹھالیا جاتا

میرے دل میں راکھ بھری ہے
اور ایک اجنبی زہر
محبت ایک جال ہے
جس میں راکھ بھری ہے
اور میرے دونوں ہاتھ

میں نے اپنے آپ کو ضائع کر دیا
اس بارش کے انتظار میں
جو میرے پیروں، میرے دل، میرے ہاتھوں کو
بہالے جائے
اور تم ان سے کوئی یادگار بنا کر
اس کا نام محبت رکھ سکو

تمھاری انگلیاں

تمھاری انگلیوں نے
دلدل میں ڈوبتے ہوئے شخص کو
علامتی بوسہ نہیں دیا
مرجانے والے آدمی کی
آنکھیں نہیں بند کیں

جوگر ہیں
تمھاری انگلیاں کھول سکتی تھیں
تم نے انھیں
اُن خنجروں سے کاٹ دیا
جو انسانی قربانی کے لیے استعمال کیے گئے

جہاں سے تمھاری انگلیاں گزرتی ہیں
ایک چھاؤں ہے
جو کبھی ایک درخت تھی

تمھاری انگلیاں

چھاؤں میں خوبصورت لگتی ہیں
اور تم
تاریکی میں

تاریکی میں
جہاں ایک زخمی پرندہ ہے
جس کے پنجرے کا دروازہ
تمھاری انگلیاں کبھی نہیں کھولیں گی

تمھارے بدن کا تہوار ختم ہونے کے بعد

تمھارے بدن کا تہوار ختم ہونے کے بعد
شبیہیں اور نقابیں
اتار دی گئیں
آرائشی محرابیں ہٹ گئیں
اور قدموں کے نشانات
کدال سے برابر کر دیے گئے

تمھارے بدن کا تہوار ختم ہونے کے بعد
سدھائے ہوئے جانوروں کو
ان کے مالک واپس لے گئے
پیش گوئی کرنے والوں کو
اپنی بات کا معاوضہ مل گیا
ایک خیمے میں آگ لگ گئی
جسے آنسوؤں سے بجھا دیا گیا

تمھارے بدن کا تہوار ختم ہونے کے بعد
آئندہ ضیافت کا مقام

طے کیا گیا
ایک نئے جزیرے کو جانے کے لیے
کشتیوں کے رنگ خریدے گئے
اور ساحل سے
مردہ آبی پرندوں کو ہٹا دیا گیا

ہمیں بھول جانا چاہیے

اُس اینٹ کو بھول جانا چاہیے
جس کے نیچے ہمارے گھر کی چابی ہے
جو ایک خواب میں ٹوٹ گیا

ہمیں بھول جانا چاہیے
اس بوسے کو
جو مچھلی کے کانٹے کی طرح ہمارے گلے میں پھنس گیا
اور نہیں نکلتا

اُس زرد رنگ کو بھول جانا چاہیے
جو سورج مکھی سے علیحدہ کردیا گیا
جب ہم اپنی دوپہر کا بیان کر رہے تھے

ہمیں بھول جانا چاہیے
اس آدمی کو
جو اپنے فاقے پر
لوہے کی چادریں بچھاتا ہے

اس لڑکی کو بھول جانا چاہیے
جو وقت کو
دواؤں کی شیشیوں میں بند کرتی ہے

ہمیں بھول جانا چاہیے
اُس ملبے سے
جس کا نام دل ہے
کسی کو زندہ نکالا جا سکتا ہے

ہمیں کچھ لفظوں کو بالکل بھول جانا چاہیے
مثلاً
بنی نوعِ انسان

جہنم

مرنے کے بعد مجھے جہنم میں دفن کیا گیا

مجھے جس قبر میں داخل کیا گیا
وہاں ایک آدمی پہلے سے موجود تھا
یہ وہی آدمی تھا جسے میں نے قتل کیا تھا
جب قاتل اور مقتول ایک ہی قبر میں جمع ہو جائیں
اصل جہنم وہیں سے شروع ہوتا ہے

عذاب کے فرشتے سوال و جواب کے لیے قبر میں آ گئے
فرشتے ننگے تھے
انھیں دیکھ کر مجھے متلی آنے لگی
جو میں نے روک لی
میں اپنی قبر کو گندا نہیں کرنا چاہتا تھا

فرشتے ڈرے ہوئے تھے
شاید دوہری قبر میں اترنے کا انھیں کوئی تجربہ نہیں تھا
سوال شروع کرنے کے لیے

ایک فرشتے نے اپنے کان سے ایک سکہ نکالا
جس پر ایک جانب میری تصویر تھی
اور دوسری جانب خدا کی
فرشتے نے سکہ اچھالا
ہارنے والے فرشتے نے سوالات شروع کرنا چاہے
میں نے تلوار کھینچ لی
فرشتے میری قبر چھوڑ کر بھاگ گئے
میں نے قبر کی مٹی پر پڑا ہوا سکہ اٹھالیا
یہ جہنم میں میری پہلی کمائی تھی

''تم نے عذاب کے فرشتوں پر تلوار اٹھا کر اچھا نہیں کیا''
''میں نے تم پر تلوار اٹھا کر بھی اچھا نہیں کیا تھا سوٗر کے بچے''
''تم مجھے قتل کر سکتے ہو مگر گالی نہیں بک سکتے''
مگر یہ غلط تھا
میں ایک آدمی کو دوبارہ قتل نہیں کر سکتا تھا
''اب جہنم کا داروغہ تمھاری خبر لے گا''

میں جہنم کے داروغہ کے انتظار میں بیٹھ گیا
اور سوچنے لگا
یہ آدمی جو اپنی قبر میں بھی مجھ سے پناہ مانگ رہا ہے
اسے کس سلسلے میں مجھ سے مقابلے کا حوصلہ پیدا ہوا ہوگا
مگر اس کی گردن پر تلوار کا نصف دائرہ زندہ تھا
اور ایسا زخم ساری دنیا میں صرف میں لگا سکتا تھا

اتنے میں شور ہوا
جہنم کا داروغہ ہماری قبر میں آ گیا
یہ کچھ مہذب فرشتہ تھا اور کپڑے پہنے ہوے تھا

''کیا تم نے میرے فرشتے پر تلوار اٹھائی تھی؟''
''جناب اس نے آپ کے فرشتے پر تلوار اٹھائی تھی''
قبر کے دوسرے گوشے سے میرے مقتول نے کہا
حالانکہ فرشتے کے مقابلے میں اسے آدمی کی حمایت کرنی چاہیے تھی

''کیا فرشتہ میری تلوار سے زخمی ہو سکتا ہے؟''
''نہیں''
''کیا میں فرشتے کو قتل کر سکتا ہوں؟''
''نہیں''
''کیا مجھے ایسے جرم کی سزا مل سکتی ہے
جس کو انجام دینا ناممکن ہو؟''
''میں نہیں کہہ سکتا''
''کون کہہ سکتا ہے؟''
''خدا''

جہنم کا داروغہ چلا گیا
''تم نے جہنم کے داروغہ کو بھگا دیا؟''
''میں قیامت کو بھی بھگا دوں گا''

''مگر قیامت تو ہو چکی''
مجھے بہت افسوس ہوا کہ قیامت ہو بھی چکی اور مجھے پتا نہیں چلا
''تم قیامت میں نہیں مرے؟''
''کچھ لوگ قیامت سے نہیں مرے
خدا نے ان کو براہِ راست جہنم میں بلا لیا''

جہنم میں میں نے اپنی جیب سے تاش نکالا
اور صبر کا کھیل کھیلنے لگا
یہاں تک کہ پتے گل سڑ گئے
پھر میں نے اپنی یادداشت کو باون خانوں میں بانٹ دیا
اور صبر کا کھیل کھیلنے لگا
ایک دن ایک کام چور فرشتہ
ہماری قبر میں چھپ کر آرام کرنے کو آ گیا
میں نے اس کی گردن پر تلوار رکھ دی
''میں تمھیں قتل کر دوں گا''
''تم مجھے قتل نہیں کر سکتے، مگر تلوار ہٹا لو، مجھے ڈر لگتا ہے''
''مجھے باہر لے چلو''
''یہ کبھی نہیں ہوا''
جواب میں میں نے عذاب کے فرشتے سے حاصل کیا ہوا سکہ
کام چور فرشتے کے ہاتھ پر رکھ دیا
فرشتے نے سر جھکا لیا

میں قبر سے باہر نکلنے لگا

پھر مجھے اپنے مقتول کا خیال آیا
میں نے اسے آواز سے جھنجھوڑا:
''باہر چلو''
''مجھے باہر نہیں جانا ہے
مجھے تمھارے ساتھ کہیں نہیں جانا ہے''
میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا
اور اپنی قبر سے باہر نکل آیا

اگر آپ مریم کانسکی وچ ہوتے

اگر آپ
مریم کانسکی وچ ہوتے
اور وِیاوارا کے مشقت کیمپ میں
آپ کی عمر
صرف سولہ سال ہوتی
اور ایک شام
آپ بدمزہ پانی جیسے دلیے کا پیالہ
غصے سے
پٹک دیتے

یا
ماتیس کے کوئی شاگرد
اور کہیں سے پکڑ کر
ڈرانسی لائے جاتے
اور وہاں کی دیواروں پر
سترہ قیدیوں کی شبیہیں
بنانے میں کامیاب ہوجاتے

یا
وارسا کی ایک رقاصہ
اورتلاشی کے وقت
آپ کو برہنہ ہونے کو کہا جاتا
اورآپ اپنی جوتی
حکم دینے والے کے منھ پر اچھال دیتے

کیا آپ
تاریخ کی کتابوں میں
اپنے نام کے آگے
تین سطروں سے مطمئن ہو جاتے؟

کرسٹل ناخت *

آج ٹوٹے ہوے شیشوں کی رات ہے

آج ہمارے بازو پر پانچ ستارے بنائے گئے
جنھیں عام لوگ
اعداد سمجھتے ہیں

آج لاوارث طالب علموں کے لیے
''مرتا ہوا شہزادہ''
کھیلا گیا
جسے حکام نے بہت پسند کیا

آج مجھے
مصنوعی کوئلے کے کارخانے میں
لگا دیا گیا
اس سے بالٹی مور میں ایک لڑکی کو بہت خوشی ہوگی

---

* Kristalnacht

آج میں نے ایک نظم لکھی

آج کریمیٹوریم
بہت دیر تک جلا

دو زبانوں میں سزائے موت

ہمیشہ پُرسکون رہنے والی
مالا زیبتبام
کیمپ گارڈ کے درمیان سے نکل گئی
اس کے ساتھ
ایڈورڈ بھی
جو اس پر عاشق تھا

''مجھے ہاتھ مت لگاؤ''
پھر سے گرفتار ہونے پر
اس نے کہا

ہاتھ گاڑی میں ڈال کر
اس کا جسم
دور تک لے جایا گیا

بچ نکلنے کے باوجود
ایڈورڈ

اس دن واپس آ گیا

اسے دوزبانوں میں
سزائے موت دی گئی

کیوں؟

سور بون کی سابق طالبہ

سور بون کی سابق طالبہ
ایتھنک جسم فروش لڑکیوں کے ساتھ قید ہونے تک
آرائشی لیمپ کے پردے
بناتی رہی
ٹاؤن ہال کے
پتھروں سے
ہم نسلوں کا خون نہیں دھو سکی

محتاط طور پر
اس کی قیمت
نصف مارک لگ سکتی ہے
اس کے سنہری بالوں کا عوض

اس کا ہاتھ
خالی اسلحہ خانہ
اور
دل

جوبلی اسکوائر
جہاں جمع ہونے والوں پر
فائر کھول دیا گیا

برقی آرک لائٹ
روشن ہوگئی

''اجتماعی قبر میں
ہم کتنے فاصلے پر ہوں گے''
کوئی اس سے پوچھتا ہے

وہ اسے نہیں جانتی

ایک اچھا سوال

''کیا موت اتنی ناقابلِ برداشت ہے؟''
عمانویل نے پوچھا

وہ اُن کے لیے
جوتے بنانے کے کام پر تقریباً رضامند ہو گیا تھا
یہاں تصویر میں
ہم
اسے یوری کے ساتھ مسکراتا دیکھ سکتے ہیں

تھوڑی سی تلاش کے بعد
اس کی بیوی کا نام معلوم کر سکتے ہیں

بغیر کسی دشواری کے
جان سکتے ہیں
سفید دستانوں والے حکام نے
اسے
کیا جواب دیا

کون تھا وہ

کون تھا وہ
جس نے ایک سلطنت کے عروج کے دنوں میں
پیپائرس کے صفحے پر
ورجل کا مصرعہ
''یہ اسپارٹا کی مکروہ ہیلن کی خاطر نہیں''
نو بار نقل کیا

خوشخطی کی مشق کرنے والا
کوئی طالب علم
یا اَخیلس کا کوئی پرستار
جیسے میں

طوق اور تعویذ

اُس وقت کا
جب تحریر ایجاد ہو چکی تھی
کانسی کا ایک ٹکڑا
ناقابلِ شکست شیشوں کے پیچھے
محفوظ ہے
کبھی ایک طوق سے بندھے ہوئے اس ٹکڑے پر
''کہیں میں بھاگ نہ جاؤں
مجھے پکڑ لو
اور میرے آقا ویونٹیس کی زمینوں پر
واپس کالسٹس بھیج دو''
لکھا ہے

ماہرین
اس تعویذ کو کسی کتے کی گردن سے
منسلک کرتے ہیں

ہم یہ جان کر خوش ہو سکتے ہیں

ہم یہ جان کر خوش ہو سکتے ہیں
۱۷۰۰ء میں
پوٹوسائی کی چاندی کی کانوں میں
اسپین کے شاہی محلوں سے
زیادہ
موم بتیاں جلائی گئیں

تمام یورپ سے
زیادہ
بھیڑ کی کھالیں استعمال کی گئیں
چاندی
ذخیرہ کرنے میں

اور
اتاہوالپا سے فوری تاوان لے جانے کے لیے
گھوڑوں کو
چاندی کی نعلیں
جڑی گئیں

میری انتوانیت

اس سے زیادہ خوبصورت عورت
بستر
اور اس سے زیادہ خوبصورت گردن
گلوٹین پر نہیں آئی
اس سے زیادہ پُر جرأت
اپنے خون کا مطالبہ کرنے والوں کے سامنے
کوئی بالکنی پر نمودار نہیں ہوا
اپنے پرستار کے ساتھ
جس نے اسے جھک کر تعظیم دی
اور ہاتھوں کا بوسہ لیا

اس سے زیادہ حقارت سے
کسی نے عدالت کے سوالوں کو
نظر انداز نہیں کیا

اس سے زیادہ
کسی نے مضافاتی گڑیا گھر کی

مہربان اور مکمل عورتوں کو ناپسند نہیں کیا
جو برف اور سنگترے کھا رہی تھیں

موسمِ خزاں ختم ہونے والا تھا

اس سے زیادہ جلد بازی سے
کسی نے اپنے آپ کو تیار نہیں کیا
اپنی موت کے لیے

حکایت

صبح ہو چکی تھی، اس احساس پہ اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ اس نے بستر پہ کروٹ بدلی — یہ کروٹ از خود بے حد شائستہ تھی کیونکہ اس کا احساس کبھی اس سے مبرا نہیں ہوا کہ پلنگ کے تختے بے توجہی کے متحمل نہیں اور چوکھٹوں سے جدا ہو جاتے ہیں۔ سورج کی کرنیں اس کے بدن میں پیوست ہو رہی تھیں جیسے سورج، جو خانہ بدوشوں اور رتھ سواروں سبھی کا ہے اور جسے دوسری مصلحتوں کی بنا پر اب کوئی خدا نہیں کہتا، اسے کرنوں کے نیزوں پہ اٹھانے والا ہو۔ یہی کرنیں اس کی آنکھوں میں چبھ رہی تھیں، اور اسی سبب سے صبح کے واقع ہو جانے کے احساس پہ اس کی گرفت بہت مضبوط تھی، اور اسی سبب سے وہ اپنی بینائی کھو دینے کے احساس کو بے گرفت نہیں کر پا رہا تھا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، اور صبح ہو چکی تھی۔

جیسا کہ اس کہانی کے سننے والے اپنی خدا ترسی یا نیک نفسی کے زیر اثر متوقع ہوں گے کہ آگے چل کر کسی لغزش یا کسی معجزے کے تحت اس آدمی کی بینائی بحال ہو جائے گی — غلط ہے۔

جب اس شخص کو اپنی بینائی کھو دینے کی اطلاع کی تردید کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی، کیونکہ تاریکی خود تاریکی کی دلیل ہے، تو اس نے بہت کچھ کرنا چاہا ہوگا؛ ایسے ردعمل جو کوئی شخص بھی کسی حادثے کے دوران یا اس کے بعد کرتا ہے — رونا، چیخنا، ہاتھ پاؤں پٹکنا، خدا سے بدظن ہونا اور خودکشی پر صاد کرنا۔ ان مراحل سے وہ آدمی جو کہانیوں میں نہیں بیان کیے جاتے بہت عرصے میں گزر پاتے ہیں، مگر وہ ان سے بے انتہا سرعت سے گزر گیا اور پھر اس نے بے حد شائستہ کروٹ بدلی، کیونکہ بہر حال اس کی پلنگ کے تختے بے توجہی کے غیر متحمل تھے، اور اسی پلنگ پہ اس کی دسترس میں وہ عورت سو رہی تھی جو اس کی بینائی سے حاملہ ہوئی۔ اس نے چاہا کہ وہ عورت پہ اپنی کیفیت کھول دے، مگر اس

نے خود کو دریافت ہو جانے پہ چھوڑ دیا۔ عورت اب جاگنے والی ہے۔ آخر صبح ہو چکی ہے۔

جیسا کہ اس نے چاہا تھا، اس کی بینائی کا گم ہو جانا اس کی عورت پہ رونما ہو گیا، اس کے پڑوسیوں پہ رونما ہو گیا، اس کے رشتہ داروں، دوست احباب، اس کے ماتحتوں، اس کے حکامِ بالا، سب پہ رونما ہو گیا، اور اگر اس کی کوئی ماں رہی ہوگی تو اس پر بھی رونما ہو گیا ہوگا۔ پھر سب کچھ بدستور ہو گیا۔ اسے ایک قلیل وظیفے پہ روزگار سے دستبردار کر دیا گیا۔ اس کی عورت روزگار سے لگ گئی۔

پھر ایک دن اس نے اپنی عورت سے کہا کہ وہ گھر تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ گھر چھوڑ دیا گیا۔ بہت دنوں بعد عورت پہ منکشف ہوا کہ اس سے یادداشت کے سہارے زینے طے نہیں ہوتے تھے، وہ گنتیاں بھول چکا تھا۔

اس کی عورت نے، جس کے حمل سے ہونے کا واقعہ مذکور ہو چکا ہے، ایک دن ایک بچی جنی۔ وہ آدمی اس موقعے پہ خوشی میں اتنا بے اختیار ہوا جتنا کہ کوئی اور باپ، جو اپنی بچی کو دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو۔ بہت دنوں کے بعد اسے تاریکی کی دلیل رد ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس کی بچی اپنی دونوں آنکھیں روشن رکھتی تھی۔

اس نے انگلیوں سے ٹٹول کر اپنی بچی کے نقوش جاننے کی کوشش جاری رکھی تھی کہ کسی نے اسے بتایا کہ بچی اس کی ہم شکل ہے، اور وہ اس اطلاع پہ خوش ہوا۔ عین اسی لمحے اسے خیال آیا کہ اس کی شکل کیسی تھی ــــ اور عین اسی لمحے اس پر ظاہر ہوا کہ وہ اپنی صورت گم کر چکا ہے۔ اس نے دنوں تک غور کیا اور مایوس ہوتا رہا۔ اپنی عورت، اپنے پڑوسیوں، دوستوں، رشتہ داروں، سب سے اپنے نقوش کی بازیافت کا متقاضی ہوا۔ بہت سی یادیں جو متحرک ہونے سے روک دی گئی تھیں، بے قابو ہو گئیں۔ مگر بہرحال اسے اپنی شکل نہیں یاد آئی اور اب کوئی معجزہ ہی اسے اس کے خدوخال لوٹا سکتا تھا۔ اب تک معجزوں پہ اس کا اعتبار قائم رہنے کی کوئی وجہ کہانی کہنے والے کی سمجھ میں نہیں آتی۔

بارہا جب اس کی عورت غیر حاضر ہوتی، اس کا دل چاہتا کہ وہ اپنی بچی کا گلا گھونٹ دے تاکہ کوئی اسے اس کی ہم شکل نہ کہہ سکے، مگر وہ اتنی جرأت کو منطق سے صحیح ثابت نہیں کر سکا۔

سمندر کے کنارے چھوٹے سے مکان میں ایک تبدیلی اس کی زندگی میں داخل ہوئی۔ ایک لڑکی جسے اس نے عنفوانِ شباب میں چاہا ہوگا اس کی موجودہ حالت سے باخبر ہوئی، اور ایک دن اپنے

مرد اور بچوں کے ساتھ اس نے سمندر کے کنارے ایک چھوٹے سے مکان کو مشرف کیا۔ اسی دن اس کی عورت، اور دوسری عورت کے مرد نے مشاہدہ کیا کہ دوسری عورت کے بچے معجزانہ طور پہ اس آدمی کے ہم شکل ہیں جس کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ جتنی حیرت سے یہ مشاہدہ کیا گیا، اتنے ہی تکلف سے اس سے قطع نظر کیا گیا۔ پھر کسی تہوار پر دوسری عورت کے مرد نے اپنی ذات اور اپنی عورت کی طرف سے بینائی گم کردہ آدمی کو ایک کتا ہدیہ کیا۔ ہر بینائی گم کردہ شخص کے پاس جلد یا بدیر ایک کتا پہنچ جاتا ہے۔ اس نے کتے کا نام اپنے نام پر رکھ دیا۔

پھر اسے کتے میں یہ دلیری حاصل ہوئی کہ وہ اسے ساتھ لے کر ساحلِ سمندر پر ٹہلتا رہتا اور شام کو گھر واپس آ جاتا، جہاں ایک عورت ایک بچی کا ہاتھ تھامے اس کی منتظر رہتی۔

کہانی کہنے والے کو یہ نہیں معلوم کہ آیا یہ سب کچھ اسی طرح ہوتا رہا، یا اس کا سمندر بستیوں پر چڑھ آیا، یا اس کا کتا کٹکھنا ہو گیا، یا اس کی بیوی یا بچی یا دونوں بدچلن نکل گئیں، گھر سے بھاگ گئیں، یا مر گئیں۔ قلم اور سیاہی سے کہی جانے والی کہانی کو وہیں پر ختم سمجھا جائے جہاں اسے ختم کر دیا گیا۔

گلدستے اور دعوت نامہ

ہم جو موسیقی سننے پہنچ جاتے ہیں
موسیقار کے لیے
کسی گلدستے کے بغیر
اور نہیں جانتے
پیانو کے کتنے پائے ہوتے ہیں

ہم جنھیں دیکھ کر
کوئی کسی خالی نشست کی طرف اشارہ نہیں کرتا
ہم جو دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاتے ہیں
جہاں بالآخر
ہمیں کھڑا کیا جاتا ہے

کلاوی کورڈ سے
پیانو تک
موسیقی نے بڑا سفر کیا ہے
جیسے ہم نے
خود کو دعوت نامے کے بغیر

بڑے دروازے سے آخری دیوار تک پہنچایا ہے

اپنی پیش کش کے بعد
موسیقار
تشکّر میں جھک رہی ہے

اب اسے
فرش پر خون نظر آئے گا

ہمارا خون
جو ہر جگہ
گلدستے
اور دعوت نامے کے بغیر
ہم سے پہلے پہنچ جاتا ہے

لاوانیا کے قریب

جہاں خاموشی کے گرد مسلح پہرے دار مقرر ہیں، وہاں میں اس کے ساتھ روٹی کو روٹی اور شراب کو شراب کہتا ہوں۔ وہ اپنی سبز انگلیوں سے ایک آبی گھنٹی کو چھوتی ہے اور مردہ گھڑ سوار پتا نہیں کون سے نام کے پھولوں کی شاخوں کے نیچے سے گزرنے لگتے ہیں۔ وہ کہتی ہے، بارش کے نیچے ایک مرد کا عورت کو پھول پیش کرنا ہمیشہ ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ امید، جو ہماری رات اور ہمارے دن کو بے ترتیب کرتی ہے، اسے سیاہ صنوبر کے درخت تک لے جاتی ہے۔ اس زمین کا نام ابتدا ہے۔ جہاں، ہم انگوروں کے ساتھ توڑے اور کشید کیے جائیں گے، وہاں میں اسے ایک گھوڑا پیش کرتا ہوں اور وہ مجھے زیتون کا پودا؛ وہ جو شیشے اور نفت اور لکڑی اور پتھر اور اون سے بنی ہے۔

لاوانیا کے قریب میں اس کے پانچ زخموں والے پھول کو چھوتا ہوں، اور پورٹا مارونا کو بند کرتے ہوے اس کے ہونٹ چومتا ہوں۔ میں تو اصطبل کے باہر اگنے والی جھاڑی ہوں، افسردہ ہندسوں والی لوح، جال کی سب سے تنہا مچھلی، ایک دل شکستہ شہزادی کی یاد، خشکی پر رہ جانے والا آرگونانٹ۔

چند لمحوں میں ہم کئی موسموں سے گزر جاتے ہیں، اور اب شدید برف پڑ رہی ہے، اور میں اسے صرف پھولوں سے ڈھانکتا ہوں۔ چاند برج سنبلہ میں ہے۔ اس عمارت کی اینٹیں پورے چاند میں چنی گئی تھیں۔ میں ان دنوں ایک پُر خطر زندگی گزار رہا تھا، اور خواب کے سوا میرے پاس کوئی اطلاع نہیں تھی۔

کیا اس کی کھلی ہوئی نیلی آنکھوں کو اس سے زیادہ غلط سمجھا جا سکتا ہے؟

تم نیند میں بہت خوبصورت لگتی ہو

تم نیند میں بہت خوبصورت لگتی ہو
تمھیں سوتے میں چلنا چاہیے
تمھیں سوتے میں ڈوریوں پر چلنا چاہیے
کسی چھتری کے بغیر
کیونکہ کہیں بارش نہیں ہو رہی ہے

دلیر لڑکی

کوٹھریوں کا کنٹرول سنبھالنے والوں نے
اس سے کہا
جیل کے صدر دروازے پر
اس کا بھائی مارا جا چکا ہے

تعلیمی سال میں تاخیر
اور کارخانوں میں چھانٹی
ہو چکی ہے
قیدیوں کا راشن
قحط زدہ لوگوں کی امداد کے لیے
بھیجا جا چکا ہے

سرکاری تعطیل کے دن
اس تفریح گاہ کی طرف
جہاں سے جیل میں ملاقات کو جانے والوں کے لیے
بسیں چلتی ہیں
ایک آدمی

اس سے ملنے
یا اس کی لاش حاصل کرنے
جا رہا ہے

اگر کوئی پوچھے

اگر کوئی پوچھے
کہ درخت اچھے ہوتے ہیں یا چھتریاں
تو بتانا کہ درخت
جب ہم دھوپ میں ان کے نیچے کھڑے ہوں
اور چھتریاں
جب ہم سفر کر رہے ہوں
اور سفر اچھا ہوتا ہے ان منزلوں کا
جہاں جانے کے لیے
کئی ارادے
اور کئی سواریاں بدلنی پڑتی ہوں
حالانکہ سفر تو انگلی میں چبھ جانے والی
سوئی کی نوک کا بھی ہوتا ہے
اور اس آنکھ کا بھی
جو اسے دل میں جاتا ہوا دیکھتی ہے

اگر کوئی پوچھے
کہ دروازے اچھے ہوتے ہیں یا کھڑکیاں

تو بتانا
کہ دروازے دن کے وقت
اور کھڑکیاں شاموں کو
اور شامیں ان کی اچھی ہوتی ہیں
جو ایک انتظار سے دوسرے انتظار میں سفر کرتے ہیں
حالانکہ سفر تو تو اس آگ کا نام ہے
جو درختوں سے زمین پر کبھی نہیں اتری

مانگنے والے کو اگر کچی روٹیاں ایک دروازے سے مل جائیں
تو اسے دیا سلائی
اگلے دروازے سے مانگنی چاہیے
اور جب بارش ہو رہی ہو
تو کسی سے کچھ نہیں مانگنا چاہیے
نہ بارش رکنے کی دعائیں

دعا مانگنے کے لیے آدمی کے پاس ایک خدا کا ہونا ضروری ہے
جو لوگ دوسروں کے خداؤں سے
اپنی دعائیں قبول کرانا چاہتے ہیں
وہ اپنی دائیں ایڑی میں گڑنے والی کیل کی چبھن
بائیں میں محسوس نہیں کر سکتے

بعض لوگوں کو خدا ورثے میں ملتا ہے
بعض کو تحفے میں

بعض اپنی محنت سے حاصل کرتے ہیں
بعض چرا لیتے ہیں
بعض فرض کر لیتے ہیں

میں نے خدا قسطوں پر خریدا تھا
قسطوں پر خریدے ہوئے خدا
اس وقت تک دعائیں پوری نہیں کرتے
جب تک ساری قسطیں ادا نہ ہو جائیں

ایک بار
میں خدا کی قسط وقت پر ادا نہ کر سکا
خدا کو میرے پاس سے اٹھا لے جایا گیا
اور جو لوگ مجھے جانتے تھے
انھیں پتا چل گیا
کہ اب نہ میرے پاس خدا ہے
اور نہ قبول ہونے والی دعائیں
اور
میرے لیے ایک خدا فرض کر لینے کا موقع بھی جاتا رہا

گھوڑی جن کی ہے

تمام نسل دار گھوڑیوں کی
پھول کھلنے کے زمانے میں نسل کشی کی جاتی ہے
خزاں میں وہ شرط پر دوڑتی ہیں
ملکہ تقدیر سے
ایک حقیر معاوضے پر
ایک چوبی گھوڑا،
جسے بہت جلد چیر دیا جائے گا،
نسل کشی کرے گا
اوڈیسیس اور اس کے سورما
ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے

تاریخ ان گھوڑیوں کے گرمی میں آنے کی دستاویز ہے
جن کی نسل کشی نہ کی گئی ہوتی
تو گھڑ دوڑ کے تمام میدان
جلی ہوئی گھاس سے ڈھک چکے ہوتے

تاریخ کے دھارے کے ساتھ بڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے

ایک گھوڑا

ایک کانپتے ہوئے مقام پر چڑھ رہا ہے
گہرائی میں جکڑ جانے کے بعد
مصنوعی مستی میں آ رہا ہے
آنکھوں میں چڑھا ہوا تھو بڑا اتارے بغیر
اُچھل کر ایک خیال میں جاتے ہوئے
اپنی جنس پر چوٹ کھا رہا ہے

جبڑوں کی جوڑی سے
گردن کے بال جکڑ کر
اس نوجوان گھوڑی سے محبت بناتے ہوئے
جو اپنی بچہ دانی ٹٹولنے کے لیے
مورّخ کی انگلیوں کا انتظار نہیں کر سکتی

پاگل گھوڑا
یہ نہیں سمجھ سکتا
نسل کشی کرانے والے،
گھوڑی جن کی ہے،
اپنا نشانہ شرط پر لگائے بغیر
اسے گولی مار دیں گے
جیسے ہی وہ محبت بنانا ختم کر کے
جدا ہو گا

ملک الشعرا نُبار اِسباریان کا ایک مَطلع

ملک الشعرا نُبار اِسباریان نے اپنی کنیز اِرما کی چھاتیوں کے لیے جو مطلع کہا اس کا حسن ترجمے میں اسی طرح ضائع ہو جائے گا جیسے ارما کی چھاتیاں دریائے اِستا کی ریت میں گل سڑ گئیں۔ آرمینیا میں یہ مطلع اُن اشعار پر سبقت لے گیا جو نُبار اِسباریان نے اپنی محبوبہ اور ہم عصر شاعرہ نورا نعلبندیان کی آنکھوں سے متعلق لکھے تھے اور شاعری کی اعلیٰ ترین مثال میں پیش کیے جاتے تھے۔ شاعرہ نورا نعلبندیان اس مطلع سے اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ کئی بار اس نے چاہا کہ اپنے گزشتہ محبوب زرگر جرائر سَمباریان کے دیے ہوئے خنجر سے، جس کو اسے صرف اپنے دل میں اتارنے کی اجازت تھی، اپنی آنکھیں برباد کر دے۔ آرمینیا کے طول وعرض میں ملک الشعرا نُبار اِسباریان کا مطلع اتنا مقبول ہوا کہ سہل الحصول عورتوں سے لے کر عفت پسند دوشیزاؤں، یہاں تک کہ خانقاہ توریکیان کی راہباؤں کی طرف سے نُبار کو درخواستیں آئیں کہ وہ اپنی چھاتیاں اس کے لیے برہنہ کرنے پر رضامند ہیں، اگر وہ اس مطلع کے برابر یا کچھ کم تر مطلع ان کے لیے کہہ سکے۔ مطلع کی شہرت سے پریشان ہو کر تذکرہ نویسوں نے تواتر سے یہ لکھنا شروع کر دیا کہ نُبار اِسباریان نے کبھی اِرما کی چھاتیوں کو برہنہ نہیں دیکھا یا اپنے ہاتھوں سے محسوس نہیں کیا، کیونکہ دیکھی ہوئی یا محسوس کی ہوئی شے پر ایسی شاعری انسانی امکان سے بالاتر ہے۔ اِرما کو ان تذکروں اور سیبوں کے اس باغ کی خبر تھی جس کے عوض نُبار اِسباریان نے اسے خریدا تھا، اور یہ بھی کہ اب نُبار اس کی چھاتیوں کے سحر یا تذکرہ نویسوں کی ضد میں شاعری سے کنارہ کش ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ اگلے تذکروں میں یہ لکھا جاتا کہ ملک الشعرا نُبار اِسباریان شعر گوئی ترک کر چکا ہے، اِرما نے دیوی اَردوازی کی پرستش گاہ میں جا کر متبرک خنجر سے اپنی چھاتیاں قطع کر کے دریائے اِستا کی ریت پر ڈال دیں۔

میرے پارلر میں قدم رکھو

میرے پارلر میں قدم رکھو
موت مجھے کہتی ہے

اس کے بدن میں
میں اپنی محبوباؤں کو
برہنہ دیکھتا ہوں
اس کی ران پر بہتے ہوئے
اپنے اِنزال کو پہچان لیتا ہوں
اس کو میری اس نظم کا حمل ہے
جو میں نہیں کہہ سکا
اس کو ایک جال کا حمل ہے
جس سے میں ایک ستارہ پکڑنا چاہتا تھا

میرے پارلر میں قدم رکھو
موت مجھے کہتی ہے
اور نہیں جانتی
اب میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں

وہ اپنے آنسو ایک نازک ہیر ڈرائیر سے سکھاتی ہے

وہ اپنے آنسو
ایک نازک ہیر ڈرائیر سے سکھاتی ہے
جب اُس کی مصنوعی پلکیں
اُس کا بدن چھپانے میں ناکام ہو جاتی ہیں
دس ناخن تراش
اُس کے ناخنوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں
وہ بچوں کی طرح برتے جانے سے
تنگ آ چکی ہے

پُرکشش بدن کو ملنے والے تمغوں کے درمیان سے
وہ مچھلی کی طرح
تیر کر نکل جاتی ہے

اپنے تلووں کے نیچے
وہ گہرائی اور ڈراما چاہتی ہے

اُس کے بال

شیمپو کی شیشی پر لکھی ہوئی ہدایات پر
سختی سے عمل کرتے ہیں

ماحولیاتی آلودگی کا خیال کرتے ہوئے
وہ کوئی بوسہ نہیں دیتی

اُس کا تکیہ
دنیا کے تمام عاشقوں کے آنسو
جذب کرسکتا ہے

فروخت کیے ہوے انسانوں کی بغاوت

ہم اُٹھے
اور ہم نے اپنے اغوا کرنے والے کپتان کو قتل کر دیا
تین بحری افسروں کو بھی
جہاز کے باورچی کا یہی بیان ہے

ہم نے ایک بحری قلعے کے قریب
لنگر ڈال دیا
اور اپنی موت کے نغمے گائے
جن میں زیادہ ماتم نہیں تھا

ہم نوجوان،
صحیح قامت، مضبوط اور پُرکشش تھے
قیافہ شناسی کی رو سے
آزاد رہنا ہمارا حق تھا

ہمیں پھانسی دے دی جائے گی
ہم اتنے ہی پُرسکون رہیں گے

جتنا کوئی بُردبار انسان
ایسے حالات میں رہ سکتا ہے

دیواری شیشے کے قریب
تین لڑکیاں،
ریشم، کپاس، زِین، بیضوی آئینے، پھل
اور زیتون جمع ہیں

ہم انسانوں اور چیزوں کا بیمہ
ایک دارالحکومت میں ہو چکا ہے

ہمارے مقدمے کے لیے
ایک ٹوٹے ہوئے جہاز کو عدالت قرار دیا گیا ہے

جب ہم کپتان کے کمرے کے گرد جمع ہوئے تھے
اس نے باورچی سے کہا:
''باہر جا کر ان کتوں کے سامنے
کچھ روٹیاں ڈال دو''
کپتان جو بارش کے دوران ہمیشہ
جہاز کے آخری سرے پر کھڑا رہتا تھا

وہ جس نے اپنی پیشانی پر
ایک ستارے جیسی شکل گدوائی تھی

اور وہ جو اپنے کاندھے پر
چیتے کی کھال اوڑھتا تھا
اور وہ تینوں لڑکیاں
جن میں سے ایک کو اس کے باپ نے رہن رکھ دیا تھا
ہم سب خشکی پر ایک قید خانے میں ڈال دیے گئے

ایک معاہدے کے تحت
جو ہماری پیدائش سے پہلے منسوخ ہو چکا تھا
ہمارے آقاؤں
اور عدالتوں کا تعین کیا گیا
جہاں ہم پیش کیے گئے

منصف اور اس کے معاونین،
آرام کرنے چلے گئے
اور ہمارے زخموں میں بارود اور سرکہ بھر دیا گیا

ہمیں فنی نکات میں الجھایا گیا
کیونکہ انسانوں کی فروخت
ایک منافع بخش کاروبار ہے

ہمارے لیے آزادی
اور آزاد سمندر کی قانونی حدود طے کی جاتی رہیں
ہم جنھوں نے کبھی برف نہیں دیکھی

اور کسی جانور کو بار برداری کے لیے استعمال نہیں کیا تھا
پھر بھی
ہماری وجہ سے
دو ممالک، اور
جیلر اور اس کی نیک دل بیوی کے تعلقات نہیں بگڑے

ایک خفیہ فیصلے کے تحت
ہمیں اس آدمی کی تحویل میں دے دیا گیا
جس کے پاس
ہمارے خریدے جانے کی رسیدیں تھیں

خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے

خدا مجھ سے ناراض ہو کر کہیں چلا گیا ہے
خدا کو کہیں اغوا کرنے والے نہ اٹھا لے گئے ہوں
خدا کو کہیں بیگار میں نہ پکڑ لیا گیا ہو

خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے
میں نے خدا کے درخت سے ایک شاخ توڑ لی تھی
خدا کو کہیں لکڑ ہارے نہ اٹھا لے گئے ہوں
خدا سے کہیں کلھاڑی کا دستہ نہ بن گیا ہو

خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے
میں نے خدا کی کتاب سے ایک ورق پھاڑ لیا تھا
خدا پر کہیں بھاری سی جلد نہ لگا دی گئی ہو
خدا کو کہیں چھاپہ خانے کے پتھر پر نہ لٹا دیا گیا ہو

خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے
میں نے اس کی مینا کا پنجرہ کھول دیا تھا
خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے

میں نے اس کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیا تھا
خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے
میں نے اس کے تکیے پر اپنا سر رکھ دیا تھا

کیا پتا خدا لوٹ کر میرے پاس آرہا ہو
خدا کو کسی نے حشیش کا پودا بنا کر اُگا دیا ہو
کیا پتا خدا لوٹ کر میرے پاس آرہا ہو
خدا کو کسی نے مشین کے دندانے میں پھنسا دیا ہو

خدا کو کون ڈھونڈ کر میرے پاس لاسکتا ہے
خدا کے سوا
اور کس کو میرا پتا معلوم ہے

شاعر اور تلوار کا گیت

تلوار

میرا سینہ کس طرح سرخ ہوا جا رہا ہے

شاعر

میرے خون سے

میرے خون سے

تلوار

تمھارے دل کے خون سے

شاعر

میرے دل کے خون سے

ہزار بھیڑیوں اور ایک رات کا زخمی کیا ہوا دل

تلوار

تمھاری رات سیاہ یاسمین سے ایک قبر کھود رہی ہے

شاعر

اسے میرے خون سے بھرا جائے گا

میرے خون سے

تلوار

اوران تتلیوں سے جو محبت کرنے والوں کے لیے نکلتی ہیں

شاعر

تتلیاں ابھی تمھاری نیام میں سو رہی ہیں

جو میرے خون سے بھری ہے

میرے خون سے

تلوار

اور تمھارے خون کا ایک قطرہ

شاعر

میری محبوبہ کے دل پر

تلوار

آئینے کی شاخوں میں تیروں سے چھدی فاختہ کا گھونسلا

شاعر

اس کا دل

اس کا دل

تلوار
آئینوں میں خون
گھونسلوں میں خون

شاعر
میرا خون
میرا خون

تلوار
تمھارا خون اس کے درخت کو نہلا رہا ہے

شاعر
کلھاڑیوں سے بھرے تہ خانے میں اس کا درخت

تلوار
اس کے کنویں کو لبریز کر رہا ہے

شاعر
پھانسی پانے والی ریت کے بستر میں اس کا کنواں

تلوار
اس کے چاک کے پہلے کوزے کو بھر رہا ہے

شاعر

قتل کیے جانے والے عاشقوں اور زہر دیے جانے والے چاند کے لیے
کہے گئے نوحوں سے بنا اس کا کوزہ

تلوار

کوزے کے ٹوٹنے کے بعد تمھارا خون کہاں گیا

شاعر

آہن گر کے اہرن پر
ہتھوڑوں کی ضرب سے ایک تلوار بن جانے کے لیے

تلوار

نظموں اور سیاہ یاسمین سے بنے تمھارے دل سے گزرنے والی تلوار

شاعر

نظموں اور سیاہ یاسمین اور ایک قیدی شہزادی کے بوسوں سے بنے دل
سے گزرنے والی تلوار

نظم

جب یانیہ کی مفتوح عورتیں
اپنے گیتوں میں ایک نئے محبوب کا ذکر کر رہی تھیں
جب جلاد
لاشوں کو صیدون سے لُوٹے ہوے
نیل میں رنگ رہے تھے
جب ترش کے شہریوں نے
برنجی زنجیروں میں بندھے
پرندوں کو
جوڑوں میں اُڑتے دیکھا

جب آما کے کنویں سے
ایک نوجوان
طلائی پتوار لیے باہر آیا
اور اپنی شناخت کرائے بغیر
مر گیا

گیہوں دودھ

اور گہری ناف والی محرمہ
برف پگھلنے کا انتظار کیے بغیر
اس گھوڑی پر سوار ہو کر میرے پاس آئی
جس کی آنکھیں نکال لی گئی تھیں
اور مجھے وقت کی پیمائش کا شیشہ دیا
جس میں سیاہ ریت بھری تھی

ہم دونوں نے ارطواس کے معبد میں،
جسے دوسرے دن
جلا دیا جانا تھا،
آخری پرستش کی
ہر خون آلود شمع دان کے سامنے
میں نے اس کے ہونٹوں کو چوما

واصِل کے سامنے لائے جانے والے میرے سر کے ہونٹوں سے
اچانک خون اُبل پڑا
اور خوبصورت محرمہ
واصِل کے پہلو سے جدا ہو گئی

زندگی ہمارے لیے آسان کر دی گئی ہے

زندگی ہمارے لیے آسان کر دی گئی ہے
ہم کسی بھی رعایتی فروخت میں
کتابیں،
کپڑے، جوتے
حاصل کر سکتے ہیں
جیسا کہ گندم ہمیں امدادی قیمت پر مہیا کی جاتی ہے
اگر ہم چاہیں
کسی بھی کارخانے کے دروازے سے
بچوں کے لیے
رد کردہ بسکٹ خرید سکتے ہیں
تمام طیاروں، ریل گاڑیوں، بسوں میں ہمارے لیے
سستی نشستیں رکھی جاتی ہیں

اگر ہم چاہیں
معمولی ضرورت کی قیمت پر
تھیٹر میں آخری قطار میں بیٹھ سکتے ہیں

ہم کسی کو بھی یاد آ سکتے ہیں
جب اُسے کوئی اور یاد نہ آ رہا ہو

پھانسی

سب سے پہلے میں جس سے ملا
وہ ایک لوہار تھا
اس نے ایک دن میں
میرا شکنجہ اور پھانسی بنا دی تھی
مگر اسے قفل بنانا نہیں آتا تھا

اس کے ساتھ قفل ساز کھڑا تھا
جس نے میرا قفل فروخت کرنے کے بعد
اس کی کنجی مجھے بیچ دی تھی
جو میں اپنی جامہ تلاشی کے وقت نگل چکا تھا

اس کے آگے جو آدمی تھا
ایک چور تھا
جس نے وہ نہر چرائی تھی
جس میں لکڑی کے کندے پھانسی بنانے کے لیے بھگوئے گئے تھے

اس کے بعد وہ خالی جگہ تھی

جہاں لکڑی کے کندے دھوپ میں سخت کیے گئے تھے

خالی جگہ کے ساتھ وہ جلاہا کھڑا تھا
جس کے تکلے پر وہ سُوت کاتا گیا
جس سے پھانسی پانے والے کی وردی بنی تھی

جلاہے کے ساتھ اس کی سوتیلی بہن کھڑی تھی
جو رسیاں بٹتے بٹتے پھانسی کی ڈور بٹ گئی تھی
اس سے آگے وہ آدمی کھڑا تھا
جس نے مجھے پانی پیتے ہوئے کنویں میں دھکیلا تھا
یہ وہی آدمی تھا
جس نے میری گرفتاری کا اشتہار لکھا تھا
اس طرح میں ایک اور آدمی سے ملنے سے بچ گیا

اس کے بعد کارندوں کے درمیان
وہ آدمی کھڑا تھا
جو مجھے پھانسی دینے پر مامور کیا گیا تھا
پھانسی کھڑی کرنے والے مزدور
جنھیں کم حیثیت ہونے کے سبب مجھ سے ملنے کے لیے قطار میں نہیں کھڑا کیا گیا
مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے
پھانسی دینے والے کے اور میرے درمیان بھی کوئی تھا
یہ خدا تھا
آخری چیز جو میرے سامنے لائی گئی

میری آخری خواہش تھی
میں نے کہا، میرے مرنے پر قومی ترانہ بجوادیا جائے
مجھے پھانسی دینے والے نے وعدہ کیا کہ وہ ضرور دارالحکومت کو قومی ترانے
کی ایک نقل کے لیے لکھے گا

اتنے میں شور مچ گیا کہ
دارالحکومت سے تنخواہ بانٹنے کے لیے کارندے آ گئے ہیں
قطار میں کھڑے تمام لوگوں میں ہلچل مچ گئی
صرف مجھے پھانسی دینے والا مجھے لے کر آگے بڑھا
کیونکہ نئے احکامات کے تحت پھانسی پانے والے کے کپڑے
پھانسی دینے والے کو مل جاتے ہیں

مرتے وقت پھانسی دینے والے کے سوا
میرے پاس کوئی اور نہ تھا
کاش دارالحکومت سے تنخواہ اس دن نہ آتی

میں اس لیے نہیں پیدا ہوا تھا

میں نظمیں بنانے کے مہینے میں نہیں پیدا ہوا؛ نہ اس صدی کو بے داغ سفید گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ پیچ کا ایک پیالہ میرے وجود میں آنے کی خوشی میں ہمسایوں میں تقسیم ہوا ہوگا، جو نو روئیدہ سبزے کا تہوار منانا ترک کر چکے تھے۔ میری پہلی دوست وہ مینار ہی ہوگی جو اپنا نام دہرایا کرتی تھی اور ایک چھت کے نیچے ہم دونوں پنجروں میں قید تھے۔ ہمارے گھر کے آگے ایک یا اس سے زیادہ ستون نہیں تھے۔ کوئی مہربان یا سنگ دل عورت میری دایہ نہیں مقرر ہوئی جو مجھے یا کسی زخم خوردہ جانور کو پھولوں سے سجا دیتی۔ میرے باپ کے پاس ہاتھی دانت کی کوئی چھڑی نہیں تھی جس سے وہ مجھے پیٹتا۔ میری ماں اپنے لمبے بالوں اور اپنی لمبی نظموں کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہو جاتی، اگر میرا باپ انھیں اپنی درانتی سے کاٹ نہ ڈالتا۔

مجھے مچھلی پکڑنے کے جالوں پر ڈال دیا گیا جو دریا اترنے کے بعد بیکار پڑے تھے۔ میں نے سب سے پہلے جس چیز کو اپنے دانتوں سے چھوا وہ لکڑی کی ناندرہی ہوگی جو کتوں کی قے سے بھری تھی۔ میں نے بہت جلد پانی میں اگنے والے جو اور خون کی طرح سرخ دانوں والے چاولوں سے پیٹ بھرنا سیکھ لیا ہوگا جنھیں مُردوں کے نام پر نہر میں بہائے جانے والے کھانوں میں کبھی شامل نہیں کیا جاتا۔

صلح نامے پر دستخط ہو رہے تھے کہ میرے باپ نے اپنی زندگی سے استعفیٰ دے دیا اور میں نے رُودباروں اور آبناؤں کے سفر کا منصوبہ گروی رکھ دیا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ سمندر مجھ سے زیادہ کسی اور پر مہربان نہیں ہو سکتا تھا؛ مگر میری ماں جانتی تھی کہ میں اس لیے نہیں پیدا ہوا کہ ایک دور افتادہ

جزیرے میں گمنامی کی موت مر جاؤں۔ جب وہ میری موت کا اعلان کرتے ہوئے مجھے خون آلود چادر سے ڈھانپ دے گی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے کوئی جنگ نہیں ہاری۔

روکوکو اور دوسری دنیائیں

ہمارا قومی درخت

سفید یاسمین کے بجائے
ہم کیکر کو اپنی شناخت قرار دیتے ہیں
جو امریکی یونیورسٹیوں کے کیمپس پر نہیں اُگتا
کسی بھی ٹروپیکل گارڈن میں نہیں لگایا جاتا
اِکے بانا خواتین نے اسے کبھی نہیں چھوا
نباتات کے ماہر اسے درخت نہیں مانتے
کیونکہ اس پر کسی کو پھانسی نہیں دی جاسکتی

کیکر ایک جھاڑی ہے
جس سے ہمارے شہر، ریگستان
اور شاعری بھری ہے

کانٹوں سے بھرا ہوا کیکر
ہمیں پسند ہے
جس نے ہماری مٹی کو بحیرۂ عرب میں جانے سے روکا

ایک مملکت کی خفیہ تاریخ

نیلامی کے ہتھوڑے کے نیچے آنے کے بعد
مملکت نادار اور بدقسمت قرار دی گئی
سوائے
ڈھنگ سے رکھی ہوئی شکارگاہوں
اور
رکھیل عورتوں کی ماہرانہ مسہریوں کے
جو سب سے زیادہ قیمت پر بکیں

سب ختم ہو گئے
مچھیرے اور کشتی بان،
دمشقی طرز کے خنجر بنانے والے،
نیل کے کاشتکار اور تاجر،
اور وہ معمار جنھوں نے نیشاپور کے فیروزے سے عمارتوں کو سجایا
ساحل پر صرف
فاتح دستے کے جوان
اپنی ہم نسل خواتین کی دلجوئی کے لیے ٹھہرے
جو بہت خوبصورت تھیں

اس تاریخ کو یہ بتانے سے معاف رکھا جائے
خلاف ورزی
صلح نامے کے کس طرف ہوئی

تاریخ یہ بتانا ضروری سمجھتی ہے
ہماری توپوں کے لیے کوئی گولہ نہیں تھا
ہم ان میں لڑکیوں کو ڈال کر بھی نہیں داغا کرتے تھے
جیسا کہ اعلیٰ درجے کے سرکسوں میں ہوتا ہے

''آدمی صرف روٹی اور سرکس پر زندہ نہیں رہتا''
دو ہزار سال پہلے
روم میں
کسی نے کہا
آدمی صرف تاریخ پر زندہ نہیں رہتا
(یہ الفاظ حذف کر دیے جائیں)

ہماری روٹی اور رقاصہ
قدیم آثار میں رہ گئیں

تاریخ
سدھائے ہوئے تین مگرمچھوں اور گندھک کے ایک حقیر چشمے کے ساتھ
جو محفوظ رہ گئے

انڈس فلوٹیلا پر
لاد کر لے جائے جانے والے آخری تنکے تک کی فہرست مہیا کر سکتی ہے

اپنا بیان ختم کرتے ہوئے
تاریخ
ژند، پاژند اور مہابھارت سے گزرنے والے
ایک دریا کو محفوظ رکھنے سے (بوجوہ) معذوری کا اظہار کرتی ہے
جسے بہت جلد
چرا لیا جائے گا

صرف غیر اہم شاعر

صرف غیر اہم شاعر
یاد رکھتے ہیں
بچپن کی فیروزی اور سفید پھولوں والی تام چینی کی پلیٹ
جس میں روٹی ملتی تھی

صرف غیر اہم شاعر
بے شرمی سے لکھ دیتے ہیں
اپنی نظموں میں
اپنی محبوبہ کا نام

صرف غیر اہم شاعر
یاد رکھتے ہیں
بدتمیزی سے تلاشی لیا ہوا ایک کمرہ
باغ میں کھڑی ہوئی ایک لڑکی کی تصویر
جو پھر کبھی نہیں ملی

روکوکو اور دوسری دنیائیں

ایلیاس کانیتی نے لکھا
گویا☆ جانبدار تھا

ماہا برہنہ
ماہا ملبوس اور
بالکنی پر ماہائیں بنانے والا

اس کی روکوکو☆ دنیا
تین مئی کو میڈرڈ کی ایک تاریک گلی میں ختم ہوگئی

اس نے فراموش کر دیا
چھتریاں لے کر چلنے والی لڑکیاں اس کے کینوس اور بستر کی زینت ہوتی تھیں

اس کا کینوس زمین پر رکھی ایک لالٹین سے
روشن ہے

گویا (Goya): اسپین کا معروف مصور
روکوکو (Rococo): اٹھارویں صدی میں یوروپ بھر میں مقبول ہونے والی مصوری کی تحریک جس میں نہایت نزاکت کے ساتھ امرا کے طبقے کے فرصت کے مشاغل کی عکاسی کی جاتی تھی۔

سپاہی جن کے چہرے نظر نہیں آ رہے ہیں
بے مزاحمت شہریوں پر گولی چلاتے ہیں
ہر شخص اپنے انداز میں موت کا سامنا کرتا ہے
سفید قمیص والے نے
اپنا سینہ تان رکھا ہے
بعد میں آنے والے مصور
اس موضوع کو دہراتے رہیں گے

اس کی آخری تصویر کی اصل
بوردو کی گوالن
کسی انقلاب میں ماری گئی ہوگی

برسبیلِ تذکرہ
گویا نے نپولین کے خلاف
اسپین کے باغیوں کی حمایت کی تھی

ایک ناممکن لڑکی

پَریگت اگروال
سلاٹر ہاؤس کی اسمبلی لائن سے گزر کر
بینک کے کاؤنٹر پر متعین ہوئی
اُس کی کشتی جیسی آنکھیں
خوشی سے
اور موسیقارانہ حلق کہر سے بھر گیا

ہائی اسٹریٹ پر وہ
بغیر سورج مکھی کے بیج کھاتے ہوئے گزری

پَریگت اگروال
اپنی ڈیزائنر بریزیئر کا اسٹریپ درست کرتی ہے
ایک اکسنٹرک ☆مسکراہٹ دیتی ہے
اور اپنے پیر ہلاتی ہے
جن میں کوئی زنجیر نہیں ہے

اکسنٹرک: eccentric

پَریگت اگروال
اپنے کام میں مستعد ہے

بابیلون میں وہ
افرودیتی کے نام پر طلب کی جا سکتی تھی
اور کارتھیج میں
گھنٹیاں بجا بجا کر
گزرنے والوں کو حمام میں آنے کی دعوت دے سکتی تھی

بینک قائم کرنے والے سود خور
اور اُن کی حرامی اولادیں
پَریگت اگروال سے ذلیل ہوئے بغیر مر جاتے
اگر وہ ایک شام
اپنا بہترین پاؤں آگے رکھتے ہوئے
باریک ٹرکوائز لانژیری میں
کیٹ واک پر نہ آتی

ایمپریس مارکٹ سے واپسی

اطاعت گزار پوروچستا دستور کو
ہر تعطیل کے دن
مکروہ ایمپریس مارکٹ کے
بیف سیکشن آنا پڑتا ہے

اپنے جیسی بلاؤزاور غیر پُرکشش اسکرٹ میں
پوروچستا دستور
ٹیڑا پوڈک اور دوسری محبتوں سے
محفوظ سمجھی جاسکتی ہے
یہ یقین کیا جاسکتا ہے
وہ مشتبہ ہوٹلوں، اسٹیٹ ایجنسیوں کی
لفٹ پر نہیں چڑھتی

ایک کلو گوشت سمیت
پوروچستا دستور
نیم ویران سمرسٹ اسٹریٹ تک پہنچ کر
بس میں سوار ہونے سے پہلے

شکستہ ہوتی ہوئی دوارت بلڈنگ کی
پہلی منزل پر جاتی ہے
اور کھڑے ہو کر پیشاب کرتی ہے
جیسا کہ ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق
مصر کی لڑکیاں کیا کرتی تھیں

اسٹریلا ڈی کیوروز کی موت

انکل سریا اسپتال کی چوتھی منزل پر
اسٹریلا ڈی کیوروز
دس ہزار سے زیادہ کا حساب چھوڑ کر
مر گئی

اَوَر لیڈی آف فطیما میں آخری رسومات
اور ایلائیڈ بینک میں
اوورڈرافٹ کی تیاریاں ہونے لگیں

چند دنوں پہلے
ایک علانیہ بوسہ اور ایک مشکوک چیک پیش کرنے پر
یہ دونوں ادارے
بالترتیب
اُسے ناپسندیدہ قرار دے چکے تھے

پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ
ہر چیز طے کر لی گئی

سیاہ تابوت کے اطراف
اور لیڈی آف فطیما کی نشستیں بھر گئیں
بھدے طور پر ریکارڈ کی ہوئی ماتمی دعائیں بجنے لگیں
اسٹریلا ڈی کیوروز کے لیے
جو بہت اچھا گاتی تھی

کون کیا دیکھنا چاہتا ہے

وِنڈی ڈی
حشرات کے خلاف ہماری جنگ
اپنے تماش بینوں کے لیے محفوظ کرنا چاہتی ہیں
(اُنھیں اس بات کے پیسے ملیں گے)

اُن کی خوش قسمتی سے
ہم اس وقت ٹڈی دل کی زد میں ہیں

اس بار گرمیوں میں
وہ
ایپانیما یا کوپاکابانا جانے کا منصوبہ
ترک کر چکی ہیں
اور اس فکر سے آزاد ہیں کہ
اَلٹی میٹ بکینی کیا ہے

خوراک، لباس اور ممکنہ خطرات کے
پرنٹ آوٹ کے ساتھ
وہ ہماری سائیکاڈیلک دھوپ میں

آنا چاہتی ہیں

ڈاکٹر ڈی
اپنے دانت سفید کرنے کے لیے
بیکنگ سوڈا نہیں استعمال کرتیں
اور انھیں
فرانسیسی مینی کیور سے دلچسپی نہیں ہے۔
(یہ کافی مہنگا عمل ہے)

اُنھیں ٹڈی دل سے دلچسپی ہے
جس کا ذکر خدا، پاؤسانیاس اور پلینی کر چکے ہیں
وہ
اٹروسکن شہنشاہوں کے مقام سے
ہمیں ایرنا میں شکست کھاتے دیکھنا چاہتی ہیں

ہم چاہتے ہیں
وِنڈی
فارفارا تخلص کر لے
اپنے بدن کے کسی حصے کو (عارضی یا مستقل طور پر) گدوائے
اور
ایک موری میں بیڈروم سین کرے
جو ہم قریب ترین وِڈیو لائبریری سے
حاصل کر سکیں

ایک دشوار سوال

سیزر کے قتل کے وقت
قلوپطرہ کہاں تھی

صحیح جواب پر
روم کا سفر
مفت

ایک زنگ آلود پن

ڈاکٹر پیدروآرا
کسی لاش کو حنوط کرنے کا کام
ملنے کا انتظار کرتے کرتے
ہمارے ملک میں
فاقہ کشی سے مرجاتا

ہمارے کسی صدر کو
اپنی مستقل شریک کے
اذیت کی موت مرجانے کے بعد
اسے گوشت پوست میں محفوظ کرنے کا خیال نہیں آیا

مگر سارے صدر ایک جیسے نہیں ہوتے
اور نہ ساری خواتینِ اول پریما بیلے رِینا
جس کو مٹی میں مل جانا
زیب نہیں دیتا
اگر وہ ڈاکٹر پیدروآرا کی ہم وطن
اور ایک ملک کے سربراہ کی ہم بستر
کی حیثیت میں دم توڑے

صدر کی خواب گاہ میں
وہ اپنے کھلے تابوت کے اندر
تین سال تک پُر سکون پڑی رہی

معزولی کے بعد
سابق حکمراں نے اسے اپنی جلاوطنی میں شریک رکھا
اور وہ میڈرڈ کے ایک تہہ خانے تک پہنچنے کے لیے
سارا اٹلانٹک پار کر گئی

تیس سال بعد
اقتدار پر دوبارہ قابض ہونے کے لیے
جلاوطن صدر نے
دوبارہ اٹلانٹک عبور کیا
پر یما بیلے رینا کے تابوت کے بغیر

صرف اس لیے
کہ ان کی محبوبہ
مشہور فلمی اداکارہ کو
بدصورت چیزوں سے نفرت تھی
جیسے
کسی حنوط کی ہوئی لاش کے بالوں میں لگا
ایک زنگ آلود پن

وہ آدمی جسے لڑکیوں کی جلد پسند تھی

وہ آدمی جسے لڑکیوں کی جلد پسند تھی
اپنی پورنوگرافی کی کتابوں پر منڈھنے کے لیے

اس نے فوج کے ایک بھگوڑے کو
ایک محکوم لڑکی کی زندہ کھنچی ہوئی کھال
حاصل کرنے کی ترغیب دی

مذکورہ بھگوڑا
سندھ سے دو بار گزرا

ہمیں پورنوگرافی کی کتابوں کو
احتیاط سے چھونا چاہیے

لینن فہمیدہ ریاض کے حضور میں

لینن فہمیدہ ریاض کے پاس
اس طرح آیا
جیسے مقتول بادشاہ کی روح
ہیملٹ کے سامنے نمودار ہوئی

وہ دوڑی ہوئی اس کے لیے
راسپوتین وودکا کی آدھی بچی ہوئی بوتل اٹھا لائی
جو اس کے شوہر نے چھپا رکھی تھی

کوئی بات شروع کرنے سے پہلے
اس نے تیزی سے وہ سب کچھ یاد کرنا چاہا
جو اس نے لینن کے متعلق پڑھا یا سنا تھا

اسے صرف اتنا یاد آیا
اُس کی طرح لینن نے بھی بہت سے دن
جلاوطنی میں بسر کیے تھے

اسے بہت افسوس ہوا
اس نے لینن کی کسی کتاب کا ترجمہ کیوں نہیں کیا
یا، اس سے بڑھ کر،
لینن پر کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی

کیا وہ اس سے روسی زبان میں گفتگو کرے گا؟
یہ سوچ کر وہ لرز گئی
اس نے روسی نہیں سیکھی تھی

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد
ایوانِ دوستی میں
اس نے ''دانائی کا آفتاب: لینن'' نامی ایک کتاب پر کچھ کہا تھا
کہاں ہو گی اس وقت وہ کتاب؟
اس کی الماری میں تو بالکل بھی نہیں

برآمدے سے گزرتے ہوئے
اس کے بچوں نے اجنبی کو محض حیرت سے دیکھا

یہ بالکل ممکن تھا
اس نے سوچا
لینن کی تصویر اور مجسمے ملک میں ہر جگہ موجود ہوتے
اگر انقلاب آ جاتا
اور ہمارے دارالحکومت کا نام لینن آباد ہوتا

وہ اس کی طرف
عدم دلچسپی سے دیکھ رہا تھا
اس نے سوچا
شاید وہ اس سے اتنا بھی متاثر نہیں ہوا
جتنا اسٹالن
اشرف پہلوی سے ہوا تھا

(مگر وہ شاہ زادی نہیں،
شاعرہ تھی)

وہ اس سے روس کے ٹوٹنے کے بارے میں
(اگر اُس کی دل آزاری نہ ہو)
پوچھنا چاہتی تھی
اور ان سارے مظالم کے بارے میں بھی
جو انقلاب کے نام پر کیے گئے
اور جن پر کچھ عرصہ پہلے اسے بالکل یقین نہیں تھا

اسے اچانک خیال آیا
اس کے پاگل دوست
کافی شاپ کے ایک کونے میں اس کا انتظار کر رہے ہوں گے
اور آج ذی شان تازہ نظمیں سنائے گا

وہ اٹھ کھڑی ہوئی
اور اس نے لینن کو خدا حافظ کہا
جس طرح مقتول بادشاہ کی روح نے
ہیملٹ کو الوداع کہا تھا

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
مارے جانے والے لوگوں کے قدموں میں رکھنے کے لیے
ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
بوریوں میں پائی جانے والے لاشوں کے چہرے ڈھانکنے کے لیے
ایک پوری سالانہ پھولوں کی نمائش
ابھی سرد خانے میں محفوظ کر لینی چاہیے
نامزد مرنے والوں کی
پولیس قبرستان میں کھدی قبروں کے پاس رکھنے کے لیے
خوبصورت بالکنی میں اگنے والے پھولوں کا ایک گچھا چاہیے
بس اسٹاپ کے سامنے
گولی لگ کر مرنے والی عورت کے لیے
آسمانی نیلے پھول چاہییں
یلو کیب میں ہمیشہ کی نیند سوئے ہوئے دو نوجوانوں کو
گدگدانے کے لیے
ہمیں خشک پھول چاہییں
مسخ کیے ہوئے جسم کو سجا کر
اصلی صورت میں لانے کے لیے

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
اُن زخمیوں کے لیے
جواُن اسپتالوں میں پڑے ہیں
جہاں جاپانی یاکسی اَور طرح کے راک گارڈنز نہیں ہیں
ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
کیونکہ ان میں سے آدھے مرجائیں گے
ہمیں رات کو کھلنے والے پھولوں کا ایک جنگل چاہیے
اُن لوگوں کے لیے
جو فائرنگ کی وجہ سے نہیں سو سکے
ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
بہت سارے افسردہ لوگوں کے لیے
ہمیں گم نام پھول چاہییں
بے ستر کی گئی ایک لڑکی کو ڈھانپنے کے لیے

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں

ہمیں بہت سارے پھول چاہییں
بہت ساری رقص کرتی بیلوں پر لگے
جن سے ہم اس پورے شہر کو چھپانے کی کوشش کر سکیں

ایک افتتاحی تقریب

فلورا لک
لہریے دار اسکرٹ،
نیم برہنہ شانوں
اور کالی کروشیا کی بیرٹ میں
مختصر جلوس کے ساتھ
کیماڑی تک گئی

وہ اسکاچ چرچ میں رکی
اس نے غیر دلچسپ تقریریں سنیں

صبح اُسے
ٹرالیوں کے گلوانائزڈ لوہے کی چھتوں والے گودام
اور ساٹھ گھوڑوں کے اصطبل کا دورہ کرایا گیا
ٹرام وے کی افتتاحی تقریب میں
کراچی کی سب سے خوبصورت لڑکی
خوش نظر آ رہی تھی

اگر اس کا کوئی محبوب ہوتا
وہ اُسے اس دن بہت بوسے دیتی

اُس کی خوشی کے احترام میں
کراچی ٹرام وے
نوے سال تک پٹریوں پر دوڑتی رہی

اور جب
مضبوط ٹرانسپورٹروں نے
ٹرام کی پٹریاں اکھاڑ دیں
شہر اُجڑنا شروع ہو گیا

کھیل

صدرِ مملکت
آنکھوں پر پٹی باندھ کر
فَن فیئر میں بورڈ پر بنے گدھے کے خاکے میں
اُس کی دُم پن سے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں
تین لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس رہی ہیں
ان میں سے ایک
بہت خوبصورت ہے

ایک اہم شخص کی محبوبہ
اس کے کمرے میں دبے پاؤں آنے کے بعد
اس کی آنکھیں موند کر
اسے گیس کرنے کو کہتی ہے
اس وقت اس کی انگلی میں اس کی دی ہوئی انگوٹھی نہیں ہے

وزیرِ اعظم
آنکھوں پر پٹی باندھ کر
اپنے بچوں کے ساتھ سرسبز لان پر

بلائنڈ مین بف کھیل رہی ہیں

ہم لوگوں کو
آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر
قیدیوں کی گاڑیوں میں ڈھکیلا جا رہا ہے

ہمارے لیے

پولی نیشین آنکھوں والی
ایک خوب صورت لڑکی
نارتھ امریکہ کے ایک شہر میں
ہمارے لیے امدادی ڈنر کے کارڈ فروخت کر رہی ہوگی

ویانا کی معمر عورتیں
ہمارے لیے پرانے کپڑے جمع کریں گی
جو مارسیلز سے
کراچی کے لیے جہاز پر چڑھائے جائیں گے

برونائی دارالسلام
کراچی کے پچاس لاوارث بچوں کو
قبول کرلے گا

ایک حقیر اقلیت
بنگلہ دیش میں
ہمارے حق میں مظاہرے کرے گی

سرائیوو کے استیفانو وسکی سے
کراچی میں مارے جانے والوں کی ڈائرکٹری
مرتب کرنے کو کہا جائے گا

خداوند خدا کی روح

خداوند خدا کی روح پانیوں پر چل رہی ہے
رنگین پانیوں پر
اسکاٹ لینڈ سے آئے ہوئے بارہ سال پرانے پانیوں پر
خداوند خدا کی روح دوڑ رہی ہے
رقص کر رہی ہے
قلابازی کھا رہی ہے
بانہیں پھیلا رہی ہے
علامتی بوسے دے رہی ہے
ایک شخص کے حوصلے کو برقرار رکھنے کے لیے
جسے صبح
اپنی آقا کی جگہ
ایک بائی پاس کا افتتاح کرنے جانا ہے

افتتاحی تختی چوری ہوگئی ہے

ایک ہزار امریکی ڈالر کی
تختی
جو ایک منصوبے کی افتتاح پر نصب کی گئی تھی
چوری ہوگئی ہے

یہ سنگین مسئلہ ہے
نامعلوم چوروں کے خلاف ابتدائی رپورٹ درج کر کے
خاموش نہیں رہنا چاہیے

اسلام آباد کو چاہیے
پانچ ہزار پولیس اور رینجرز کی نفری
علاقے کے محاصرے کے لیے روانہ کرے
گھر گھر تلاشی لی جائے

نوجوانوں کو گرفتار کیا جائے
بچوں کو طمانچے مارے جائیں
بوڑھوں کے سر دیوار سے ٹکرائے جائیں

ہر پسند آنے والی چیز چھین لی جائے

تختی نہ مل سکنے کی صورت میں
اُس حفاظتی دستے کو برطرف کیا جائے
جس نے
افتتاح کرنے والی شخصیت کی واپسی پر
اس کی سیاہ مرسیڈیز کی تلاشی نہیں لی تھی

ہدایات کے مطابق

وزیراعظم جنوب کی طرف نہیں جائیں گی
صدر
صرف عمودی پرواز کریں گے
سپاہی
ڈھائی گھر چلیں گے
جلاوطن رہنما
ساڑھے بائیس ڈگری پر گھومیں گے
لوگ
گھروں سے نہیں نکلیں گے
ایمبولینسیں
زِگ زیگ چلیں گی
تاریخ
پہلے ہی اینٹی کلاک وائز چل رہی ہے

شہر میں بہار لوٹ آئے گی

وزیراعظم کی
فوٹو جینک مسکراہٹ کے نتیجے میں
ایڈونیس کی طرح
قتل کیا گیا نوجوان موت کی سرزمین سے لوٹ آئے گا
اور دوسرے مرنے والے بھی

صدر کے کھنکھارتے ہی
دہشت گرد ہتھیار پھینک دیں گے
اور مہران بینک میں ملازمت اختیار کرلیں گے

سہ پہر کو
وزیراعظم کی جماہی رُکتے ہی
لوگ سینماؤں اور تھیٹروں کو چل پڑیں گے
فرنچ بیچ پر نمفولڑکیاں ٹاپ لیس چہل قدمی کریں گی

مضبوط شاخوں پر
پھانسی پانے کے بعد

ہماری آنکھیں اور زبان اُبل آنے کے بعد
شہر میں بہار لوٹ آئے گی

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا

اعلیٰ لباس ڈزائن کرنے والوں سے
اُس کی محبت
اس کا ایمبر وِنڈرڈ بولیورو
اس کا ابدی زندگی کا مصری تعویذ
اس کی اسلام اور چاکولیٹ چپ آئس کریم سے
رغبت
اس کا عروسی اور سبز اور نیلی حلف برداریوں کا جوڑا
اس کے حکم پر لوگوں کو برہنہ کیا جانا
ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا

وقت ان کا دشمن ہے

وہ کسی گیلیلیو کا انتظار نہیں کر رہے ہیں
ایک بڑی گھڑی تیار کرنے کے لیے
جسے شہر کی ایک یادگاری دیوار میں نصب کیا جا سکے

اس خلا میں
ہماری تاریخ کی عکاسی کے علاوہ
خواتین کے عالمی دن پر
جھولا ڈالا جا سکتا ہے

چینی طائفہ
بانس سے اُچھل کر اس میں سے گزر سکتا ہے

اس میں
ایک لاش کو مختصر کر کے لٹکایا جا سکتا ہے

اسے موئن جودڑو کی اینٹوں سے
چنا جا سکتا ہے

ایک آئس کریم کو متعارف کرانے کی مہم

رینجرز کی موبائلوں
اور بکتر بند گاڑیوں کے آنے کے بعد
ٹینکوں کے آنے سے پہلے
وہ کھلونوں کی دکانوں سے نکل کر
ہماری سڑکوں پر آ گئے

اپنے پہیوں والے سفید ڈبوں کے ساتھ
جن کے اوپر خوبصورت چھتریاں لگی تھیں

وہ اسٹرابری اور ونیلا کی زبان میں بات کرتے تھے
ان کے پاس لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے
ایک دلکش دُھن تھی

ان کی
ایک آئس کریم کو متعارف کرانے کی مہم
ہمارے شہر کے لیے آخری خوش گوار حیرت تھی

دریائے سندھ ہمارے دکھ کیوں نہیں بہالے جاتا

اُس تمام خون سے
جو بہا
چارلس نیپیئر
اپنی نگاہ میں بری الذمہ تھا
جیسا کہ ڈیڑھ سو سال بعد تک
اس کے جانشین ثابت ہوئے

اس کے علاوہ بھی
سب کچھ اسی طرح تھا

صرف
جسمانی ریمانڈ میں آئی ہوئی خواتین پر
خراب پسی ہوئی مرچ کے بجائے
حساس اداروں میں
'ٹوباسکو ساس' کا استعمال کیا گیا

اور

کارکردگی بہتر ہو جانے کی وجہ سے
لوگوں کو چند منٹوں میں
ایک خوبصورت میز تک پہنچانا ممکن ہوا
جس پر
ان کی طبعی موت کے
دستخط کیے ہوئے سرٹیفکیٹ جمع تھے

ایک لڑکی

لذت کی انتہا پر
اُس کی سسکیاں
دنیا کے تمام قومی ترانوں سے زیادہ
موسیقی رکھتی ہیں

جنسی عمل کے دوران
وہ کسی بھی ملکۂ حسن سے زیادہ
خوبصورت قرار پا سکتی ہے

اُس کے بلو پرنٹ کا کیسٹ
حاصل کرنے کے لیے
کسی بھی فساد زدہ علاقے تک جانے کا
خطرہ لیا جا سکتا ہے

صرف اُس سے ملنا
ناممکن ہے
پاکستان کی طرح

ہالہ فاروقی بھی
پولیس کی تحویل میں ہے

ایک سیاسی جماعت کے لیے انتخابی نشان گھوڑا منتخب ہونے پر

مت آؤ ایک سڑے ہوئے کاغذ کے اوپر، مت چھپاؤ اوڈیسیس اور اس کے مکار ساتھیوں کو اپنے اندر، نکل جاؤ آب پارے کی دیواروں پر لپے پوسٹروں سے، اور شاہراہِ آئین پر ہنہناتے ہوئے گزرو، امیزون لڑکیوں کی رانوں کے نیچے پہنچو، ٹرائفلگر اسکوائر پر نیلسن کے مجسمے کو اپنی پشت پر مت بٹھاؤ، سیدھے جہام بولونیا کے اسٹوڈیو پہنچ جاؤ، داخل ہو جاؤ دستک دیے بغیر، المتنبی کو لے کر سلطان کے خیمے تک جاؤ، تاریخ میں پہلی بار کوئی شاعر گھوڑے کی پشت پر سے اپنا قصیدہ، پیش کرے گا، بینک کے لاکر سے نکلو، والٹ کو توڑو اور شمسون کی طرح صدر دفتر کے ستون گرا دو، مت چلنے دو اپنی ایال پر گھاس کاٹنے کی مشین، حوا آدم کو سپر مارکٹ سے خرید کر ایک سرخ سیب پیش کر رہی ہے، اسے اچک لو اور اپنی پسند کی گھوڑی کو پیش کرو، کشتیوں میں سوار ہو اور وہ امریکہ دریافت کر لو جو ازابیلا اپنے تاج میں لگے جواہرات کے بدلے میں نہیں خرید سکی، سکندرِ اعظم اور جولیس سیزر کو زر خرید بنا لو، ایڈونیس کے جنازے کو کھینچو، ڈوبے ہوئے جہازوں کا پتا لگاؤ، زمین کے خزانے تلاش کرو، گھاس کی نئی قسم ایجاد کرو، چاند کو اپنی نعل میں جڑو، مینوتار کی طرف مڑ کر مت دیکھو، یسوع کے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے، آج شام اسے بارش میں میری میگڈالین کے گھر لے جاؤ، نفرتیتی نے کوئی گھوڑا نہیں دیکھا، وہ تمھیں خدا سمجھ کر سجدے کرے گی، مت داغی جانے دو اپنی پشت، مت لگنے دو اپنی تصویر پر مہر۔

رابرٹ کلائیو

''میری نیک نامی رہنے دو،
میری ساری دولت چھین لو''

اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا

اس نے درد کم کرنے کے لیے افیون کا استعمال ختم کر دیا تھا
اومی چند کا بھوت اب اس کے سامنے پریڈ نہیں کرتا تھا
اسے معلوم تھا
سچ اور خوش نصیبی پر اس کی اجارہ داری ختم ہو چکی ہے

اب کسی بارش میں
دشمن کا گولہ بارود نہیں بھیگ سکے گا
کوئی حکمراں
اس کے قدموں میں کھڑے ہو کر
اسے صلح کی دستاویز نہیں پیش کرے گا

پھر بھی وہ وہی تھا

جس نے تاریخ کی ایک اہم جنگ
صرف ۱۴ سپاہیوں کے نقصان پر جیتی تھی

وہ ایک مشکل دنیا کا باشندہ تھا
ہم اس کی خودکشی پر افسوس کر سکتے ہیں

صفحہ نمبر ۱۶۳ پر ایک تصویر

اسے کسی اجنبی دریا کے کنارے بیٹھ کر
اپنے شہر کو یاد کرنے کی
ضرورت نہیں ہے

وہ مہا کھالی سیٹلمنٹ میں خوش ہے
جس کا تذکرہ کوپن ہیگن میں دیے گئے
ایک لیکچر میں آتا ہے

وہ تیر کر بھی
اُس گارمنٹ فیکٹری تک جا سکتی ہے
جہاں اس نے میٹرک پاس کرنے کے بعد سے
کام کرنا شروع کیا ہے

وہ ایک مشترکہ وی سی آر پر
ہفتے میں تین فلمیں ایک ساتھ دیکھتی ہے
اور ہر پہلی تاریخ کو
پوری ایک کلو ہلسا مچھلی خرید کر گھر میں لاتی ہے

اُس کا بیمار باپ
آوارہ بھائی
یا نادیدہ دشمن نہیں ہے

وہ ساری عمر کنواری رہ جائے گی
ایسا نہیں ہے

ایک لڑکا ہے
اسکول میں پڑھاتا ہے
نیویارک میں ڈرائیور
یا کراچی میں باورچی بننے کا خیال نہیں رکھتا

بانس کی دیواروں
اور ٹین کی چھت والے گھر میں
وہ خوش ہے

جب اسے کمیونٹی تھیٹر میں
ایک کردار کے لیے منتخب نہیں کیا گیا
اسے کوئی افسوس نہیں ہوا

اسی دن اسے
پانی کی فراہمی کے دفتر کے سامنے

مظاہرہ کرنے والی لڑکیوں کے وفد میں شامل کیا گیا ہے

کسی نے اسے خوش رہنا نہیں سکھایا ہے
یہ اسے آتا ہے
اسے نہیں معلوم غربت کی لکیر
اس کے بدن پر کہاں سے گزرتی ہے

اس کا غریب ملک
دوبار آزاد ہوا ہے

وہ دنیا بھر سے زیادہ آزاد
اور زیادہ خوش ہے

برٹینیکس

سیٹرنالیا کی رات
اس نے ایک اداس گیت سنا کر
مدہوش مجمع کو مشتعل کر دیا تھا

مگر اس وقت وہ کچھ بول نہیں سکا
سفید الاباسٹر کے فرش پر تھوڑی دیر تڑپا
اور مر گیا

وہ اپنے بڑے بھائی کے مقابلے میں دوبارہ کبھی پانسا نہیں پھینکے گا

''یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گا!''
نیرو نے شہنشاہی روانی سے کہا
قاتل اور مقتول کی ماں
سب کچھ ہار چکی تھی
اسے میز پر قدس شناسوں کی دائیں طرف
سب کی آنکھوں کے سامنے زہر دیا گیا تھا

وہ مر گیا
اپنی بہن کے گال پر اختتامی بوسہ دیے بغیر
اور اسی طرح ضیافت کے کمرے میں پڑا رہا

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد
ہر ایک نے اپنا رات کا کھانا دوبارہ شروع کیا

فلکیات اور شاعر

محبت کے اعتراف میں مریخ کے ایک چاند کے آتش فشاں کا نام اس شخص کی محبوبہ کے نام پر رکھ دیا گیا جس نے وہ اور ایک اَور چاند دریافت کیا تھا، اور جسے محبت سے کم تر جذبے، پرستش، کی بنا پر ایک اساطیری خدا سے منسوب کیا گیا۔ مگر ہم در گزر کر سکتے ہیں کیونکہ یہ خدا مارا گیا تھا۔ قابلِ اطمینان بات یہ ہے کہ پہلی ناکام پرواز کرنے والے کے نام پر مریخ کے ایک سیارہ نما کو پستمہ دیا گیا ہے، اور کائنات کو بامعنی بنانے کے لیے کم از کم ایک شاعر، ایک ناول نگار، ایک مصور اور ایک موسیقار کے نام سے عطارد کے خطّے منسوب ہوئے۔ خوبصورتی کی دیوی، افرودیتی، زہرہ کی سرزمین کے صرف ایک خطّے کی حاکم ہے، جب کہ مباشرت کا خدا سیارہ نمبر ۴۳۳ قرار دیا گیا۔ خدائے ہرمس سے منسوب سیارہ نما، افسوس ہے کہ زمین سے ہزار میٹر قریب آنے کے بعد کہیں کھو گیا۔ جو لوگ پیسوں سے محبت کرتے ہیں انھیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ رومی ٹکسال کی دیوی مریخ کے ایک سیارہ نما کی حیثیت میں گردش کر رہی ہے۔ کائنات میں تمام قابلِ ذکر خدا، جن کی پرستش کرنے والے ختم ہو گئے یا مار دیے گئے، کسی نہ کسی محور پر اپنے پُرجلال ناموں کے ساتھ حرکت میں ہیں۔ ایک دن کوئی بہت دور دریافت ہونے والے سیارہ نما کا نام ہمارے خدا کے نام پر بھی رکھ دے گا۔

عظیم ناموں سے ابتدا

ہم بالکل نہیں جانتے
ایلس رینڈال اس وقت کہاں ہے
کل وہ ہوٹل کے سوئمنگ پول کے مغربی کنارے پر تھی
اور گودھرا کیمپ کا ابراہیم بوڑکا
صنعتی کارپوریشن کی پانچویں منزل پر اسے
دوربین میں دیکھ رہا تھا

اگر وہ ریشم کا کیڑا ہوتا تو اسے اپنے کوکون میں بند کر لیتا
اور دونوں ایک ساتھ کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے جاتے

ہماری تمام ہمدردیاں اور راتیں
اُن لڑکیوں کے ساتھ ہیں
جنھوں نے اپنے بچپنے کو جلد بازی اور بدتمیزی کے ساتھ
رخصت کر دیا
اور ہماری محبت
اس لڑکی کے لیے
جس کی آنکھوں میں نیویارک کا وقت ہے

اور جس کے ناخنوں کی پالش تاریکی میں جگمگاتی ہے
وہ ڈولفن کی نسل کو بچانے کے لیے سرگرم ہے

سب سے اچھی رات
اُس کے پرَم کیے ہوئے بالوں میں گزری
جب ہم جرمنی کے اتحاد پر ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے

پھر بھی ہم جانتے ہیں
دل ایک ٹراپیز آرٹسٹ ہے
جو کسی تماشائی کے بغیر
اپنے فن کا مظاہرہ کیے جا رہا ہے

ویلائی وانگ اِک
اپنے کمرے میں برہنہ اور خوش ہے
اور اس حالت میں کسی مہمان کا استقبال کر سکتی ہے
مگر ہمارا علم محدود ہے

ہمیں آج ہی سے
مینسفیلڈ اسٹریٹ پر
شام کو ساڑھے پانچ بجے گزرنے والی دو لڑکیوں کو
ہیلن اور بیاتریچے کے نام سے پکارنا چاہیے
تاکہ ہم دو عظیم ناموں سے ابتدا کر سکیں

کتے کی موت

ایر وائس مارشل منوچہر نادرشا
ایک شہری پرواز پر
رات کے کھانے کے دوران
گلے میں ہڈی پھنس جانے کی وجہ سے
مرجاتے ہیں

ایسی ہی ایک اور ہڈی کے آگے
دوسرا کتا ڈال دو

مجھے ایک کہانی سناؤ

مجھے ایک کہانی سناؤ
اس کے علاوہ کہ تم مجھ سے حاملہ ہو گئی ہو
اس کے علاوہ کہ تم اُس لڑکی سے زیادہ خوبصورت ہو
جو مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے
اس کے علاوہ کہ تم ہمیشہ سفید بلاؤز کے نیچے
سفید بریزیئر پہنتی ہو

مجھے ایک کہانی سناؤ
اس کے علاوہ کہ آئینے نے سب سے خوبصورت کسے بتایا تھا
اس کے علاوہ کہ آئینے میں نظر آنے والی ہر شے خوبصورت ہوتی ہے
اس کے علاوہ کہ غلام لڑکیوں کے ہاتھوں سے
شاہزادیوں کے آئینے کیسے گر جاتے تھے
اس کے علاوہ کہ شاہزادیوں کے حمل کیسے گر جاتے تھے
اس کے علاوہ کہ شہر کیسے گر جاتے تھے
اور فصیل،
اور علم،
اور مقابلہ کرتے ہوئے لوگ

مجھے ایک کہانی سناؤ
اس کے علاوہ کہ ڈیٹ لائن سے گزرتے ہوئے
تم کپتان کے کیبن میں نہیں سوئیں
اس کے علاوہ کہ تم نے کبھی سمندر نہیں دیکھا
اس کے علاوہ کہ ڈوبنے والوں کی فہرست میں کچھ نام
ہمیشہ درج ہونے سے رہ جاتے ہیں

مجھے ایک کہانی سناؤ
اس کے علاوہ کہ بچھڑی ہوئی جڑواں بہنیں بروتھل میں
ایک دوسرے سے کیسے ملیں
اس کے علاوہ کہ کون سا پھول کس شخص کے آنسوؤں سے اُگا
اس کے علاوہ کہ کوئی جلتے ہوئے تندور سے روٹیاں نہیں چراتا

مجھے ایک کہانی سناؤ
اس کے علاوہ کہ صلح نامے کی میز عجائب گھر سے کیسے غائب ہوگئی
اس کے علاوہ کہ ایک براعظم کو غلط نام سے پکارا جاتا ہے

مجھے ایک کہانی سناؤ
اس کے علاوہ کہ تمھیں ہونٹوں پر بوسہ دینا اچھا نہیں لگتا
اس کے علاوہ کہ میں تمھاری زندگی میں پہلا مرد نہیں تھا
اس کے علاوہ کہ اس دن بارش نہیں ہو رہی تھی

امینہ جیلانی کیوں نہیں لکھتی

امینہ جیلانی کیوں نہیں لکھتی
اس اخبار میں
جس کے ۱۶ فیصد پڑھنے والے
ہماری پَر کیپٹا اِنکم سے ۲۰ گنا زیادہ
جوتوں اور لباس پر صرف کرتے ہیں

امینہ جیلانی کیوں نہیں لکھتی
ٹوٹے پھوٹے اینکڈوٹس کے بجائے
سوئٹزرلینڈ کے بینکوں کے اکاؤنٹ نمبر
جہاں ہم سے لوٹی ہوئی دولت جمع ہے

امینہ جیلانی کیوں نہیں لکھتی
کہ ٹیسی ٹَس نے لکھا
نیرو کو چار گھوڑوں کے رتھ میں چڑھنے کی پرانی خواہش تھی
وہ چار گھوڑوں کے رتھ کو
سیاہ مرسیڈیز میں تبدیل کیوں نہیں کرتی

اینہ جیلانی سنسنی پھیلانے کے لیے کیوں نہیں لکھتی
ایک مشہور ایرلائن میں
مسافروں کو کتے کا گوشت کھلایا جاتا ہے

اینہ جیلانی
پامال موضوعات
ماورائے عدالت قتل یا پانی کے قحط کو کیوں نہیں چھوتی

ایسا نہیں ہے کہ اینہ جیلانی
نوک دے یوم یا پولینا پکانے کی ترکیبیں لکھا کرتی ہے

اینہ جیلانی جانتی ہے
کلفٹن کا پل بہت مضبوط ہے
اور اُس کا یہ سال ایک حادثے سے شروع ہوا ہے

اینہ جیلانی جانتی ہے
ڈاکوؤں سے مقابلے کے دوران
جیپ سے کچلا جانے والا دنداں ساز
ابھی تک کوما میں ہے

فوجی ورجل کی زمین چھین لیتے ہیں

فوجی ورجل کی زمین چھین لیتے ہیں
جس کے واپس ہونے میں
دو نظموں اور روم تک سفر
کا فاصلہ ہے

کوئی نہیں جانتا
وہ وہاں کب تک رہا
اور خانہ جنگی کتنے عرصے تک
اس کو شاعری سے روکے رہی

شہنشاہ آگسٹس
اسپین کی مہم سے ''اینیڈ'' کا پہلا مسودہ
طلب کرتا ہے
جو اُسے چار سال بعد پڑھ کر سنایا گیا

بسترِ مرگ پر
ورجل مسلسل ''اینیڈ'' کا مسودہ طلب کرتا رہا

جلا دینے کے لیے
جو اُسے فراہم نہیں کیا گیا

خیمۂ سیاہ

اُس نے شمشیر پہ لکھا کہ اجل تیری ہے
دل کو لازم ہے کہ اس ناز پہ اثبات کرے

سحابِ سبز نہ طاؤسِ نیلمیں لایا
وہ شخص لوٹ کے اک اور سرزمیں لایا

عطا اُسی کی ہے یہ شہد و شور کی توفیق
وہی گلیم میں یہ نانِ بے جویں لایا

اُسی کی چاپ ہے اُکھڑے ہوے کھڑنجے پر
وہ خشت و خواب کو بیرون از کمیں لایا

وہ پیش بُرشِ شمشیر بھی گواہی میں
کفِ بلند میں اک شاخِ یاسمیں لایا

کتابِ خاک پڑھی زلزلے کی رات اُس نے
شگفتِ گل کے زمانے میں وہ یقیں لایا

✓

ہوا ہے قطع مرا دستِ معجزہ تجھ پہ
گیاہِ زرد بہت ہے یہ سانحہ تجھ پہ

میں چاہتا ہوں مجھے مشعلوں کے ساتھ جلا
کشادہ تر ہے اگر خیمۂ ہوا تجھ پہ

میں اپنے کشتہ چراغوں کا پل بنا دیتا
کسی بھی شام مری نہرِ پیش پا تجھ پہ

یہ کوئی کم ہے کہ اے ریگِ شیشۂ ساعت
اُگا رہا ہوں میں اک نخلِ آئینہ تجھ پہ

کہ اجنبی ہوں بہت سایۂ شجر کے لیے
سو ریگِ زرد میں ہوتا ہوں رونما تجھ پہ

پکارتی ہے مجھے خاکِ خشت پیوستہ
یہ نصب ہونے کا ہے ختم سلسلہ تجھ پہ

ایک ہی وقت میں تمہیدِ بر و بحر لکھی
ایک ہی رنگ سرِ مقتل و مامن رکھا

اَبر کو کاہ رُباؤں میں گرفتار کیا
شہرِ سیلاب کو تمثیلِ مزیّن رکھا

برف اچھی کہ زمستاں کے شجر اچھے ہیں
دل کو اس شعلۂ تحقیق سے روشن رکھا

دفعتاً نانِ شبینہ کو سمیٹا اور پھر
روبرو مسئلۂ شیشہ و آہن رکھا

اِک حکایت میں لکھا یہ ہے کہ نابود تھا میں
میں وہی جس نے کہ اس خاک میں روزن رکھا

✓

کچھ اور رنگ میں ترتیبِ خشک و تر کرتا
زمیں بچھا کے، ہوا اوڑھ کے بسر کرتا

گل و شگفت کو آپس میں دسترس دیتا
اور آئنے کے لیے آئنہ سپر کرتا

چراغِ کہنہ ہٹاتا فصیلِ مردہ سے
گیاہِ خام پہ شبنم دبیز تر کرتا

وہ نیم نان، خنک آب اور سگِ ہمنام
میں زیرِ سبزِ شجر اپنا مستقر کرتا

وہ جس سے شہر کی دیوار بے نوشتہ ہے
میں اُس کی شاخِ تہیّہ کو بے ثمر کرتا

میں چومتا ہوا اک عہد نامۂ منسوخ
کسی قدیم سمندر میں رہ گزر کرتا

کبھی نہ خود کو بداندیشِ دشت و در رکھا
اُتر کے چاہ میں پاتال کا سفر رکھا

یہی بہت تھے مجھے، نان و آب وشمع وگُل
سفرنژاد تھا، اسباب مختصر رکھا

ہوائے شامِ دلآزار کو اسیر کیا
اور اس کو دشت میں پن چکیوں کے گھر رکھا

وہ ایک ریگ گزیدہ سی نہر چلنے لگی
جو میں نے چوم کے پیکاں کمان پر رکھا

وہ آئی اور وہیں طاقچوں میں پھول رکھے
جو میں نے نذر کے پتھر پہ جانور رکھا

جبیں کے زخم پہ مثقال خاک رکھی اور
اک الوداع کا شگوں اس کے ہاتھ پر رکھا

گرفت تیز رکھی رخشِ عمر پر میں نے
بجائے جنبشِ مہمیز نیشتر رکھا

نشان کس کا سپہرِ سیاہ میں آیا
بہت جوان تھا کفش و کلاہ میں آیا

چراغ کشتہ کے اک طاقچے پہ میرے نام
سحر ہوئی تو ہوا کی نگاہ میں آیا

اُسی کو بخش دی یہ آب و ریگ کی میزان
وہ بے نوید جو شہرِ تباہ میں آیا

جدا کیے تری شاخوں سے میں نے سارے تیر
رواں کیا وہی پانی کہ چاہ میں آیا

ستم کی شاخ سے اک شام اک شگوفۂ زرد
ہوا چلی تو کفِ دادخواہ میں آیا

بس ایک شام کا خورشید تھا کلا اسپِ غریب
تہی رکاب مری خیمہ گاہ میں آیا

دعا کی راکھ پہ مرمر کا عطرداں اُس کا
گزیدگی کے لیے دستِ مہرباں اُس کا

گہن کے روز وہ داغی ہوئی جبیں اُس کی
شبِ شکست وہی جسم بے اماں اُس کا

کمندِ غیر میں سب اسپ و گوسفند اُس کے
نشیبِ خاک میں خفتہ ستارہ داں اُس کا

تنورِ یخ میں ٹھٹھرتے ہیں خواب وخوں اُس کے
لکھا ہے نام سرِ لوحِ رفتگاں اُس کا

چنی ہوئی ہیں تہہِ خشت انگلیاں اُس کی
کھلا ہوا ہے پسِ ریگ بادباں اُس کا

وہ اک چراغ ہے دیوارِ خستگی پہ رُکا
ہوا ہو تیز تو ہر حال میں زیاں اُس کا

اُسی سے دھوپ ہے انبار، دھند ہے روپوش
گرفتِ خواب سے برسر ہے کارواں اس کا

دل خوش بہت فضائے اساطیر میں رہا
روشن یہ گھر چراغ کی تصویر میں رہا

اک شام، اک ہجومِ نگہ داریاں کے بیچ
وہ دستِ ناز، دستِ عناں گیر میں رہا

آئینے میں بحال ہوئیں مجھ سے حیرتیں
اور اعتبار جوہرِ شمشیر میں رہا

ایثارِ خاک تھا مرا ہونا، سو عمر بھر
اِستادہ ایک خانۂ زنجیر میں رہا

روشن وہ دل پہ میرے دل آزار سے ہوا
اِک معرکہ جو حیرت و زنگار سے ہوا

جب نخلِ آرزو پہ خزاں اِبتلا ہوئی
میں دست زد ثوابت و سیار سے ہوا

اک شمعِ سرد تھی جو مجھے واگذار تھی
اور اِک شرف کہ خانۂ مسمار سے ہوا

بیعت تھی میرے دستِ بُریدہ سے خشت و خاک
اس پہ سبک میں صاحبِ دیوار سے ہوا

پیوست تھے زمین سے اَفعی، شجر سے تیر
جوں ہی جدا میں شامِ عزادار سے ہوا

۔۔۔

بہت نہ حوصلۂ عزّ و جاہ مجھ سے ہوا
فقط فرازِ نگین و نگاہ مجھ سے ہوا

چراغِ شب نے مجھے اپنے خواب میں دیکھا
ستارۂ سحری خوش نگاہ مجھ سے ہوا

گرفتِ کوزہ سے اک خاک میری سمت بڑھی
صفِ سراب کوئی سدِّ راہ مجھ سے ہوا

شبِ فسانہ و فرسنگ اُس سے مل آیا
جو ماورائے سفید و سیاہ مجھ سے ہوا

سرِ گریز و گماں اُس نے امتحان لیا
جو ہم کنار مرا کم نگاہ مجھ سے ہوا

کمان خانۂ افلاک کے مقابل بھی
میں اُس سے اور وہ پھر کج کلاہ مجھ سے ہوا

جو سیلِ ہجرتِ گل تھا مرے قدم سے رُکا
کمند لمحۂ صد اشتباہ مجھ سے ہوا

نیام زد نہ ہوئی مجھ سے تیغ حیرانی
شکست آئنۂ انتباہ مجھ سے ہوا

اگرچہ دل کو کئی عکس نے گزند کیا
اِس آئنے کو نہ پامالِ بست و بند کیا

نگاہِ تیز سرِ شاخِ ناشگفت رکھی
چراغِ کشتہ پہ دستِ طمع بلند کیا

میں سیلِ تند جو کوے سپردگی کو گیا
وہاں پہ ہر در و دیوار نے گزند کیا

مجھی سے ثابت و سیّارہ بے گرفت ہوے
مگر میں دامِ نہادہ کو ارجمند کیا

ملی ہے صاحبِ کاسہ سے نانِ پس خوردہ
اُسی سے طالعِ نایافت مُستمند کیا

میزانِ بد و نیک سے اِک گوہرِ نایاب
تُلنے کے لیے اِس دلِ آگاہ پہ آیا

وہ جانِ اساطیر، وہ اعراضِ اساطیر
مجھ سے جو ملا، قصہؑ کوتاہ پہ آیا

یک بوسہ و دو اشک پہ میں اُس کو خریدا
جاں عرض گزاری تھی کہ وہ راہ پہ آیا

اُس شوخ کے ترکش کا میں وہ تیرِ خطا ہوں
جو لوٹ کے پھر اُس کی کمیں گاہ پہ آیا

کیا ساعتِ مسعود تھی جس وقت مرا دل
طرزِ سخنِ میرزا نوشاہ پہ آیا

اس سیلِ کار و کشت سے عالم ہلاک تھا
لیکن مجھے بھی نشۂ پندارِ خاک تھا

دل کر دیا ہے ناوکِ شب خیز پہ دونیم
کیا قصۂ کمان و کمیں خواب ناک تھا

میں قید ہوں تو چاہِ تغافل پہ سنگ رکھ
برخواست ناز کر کہ میں شاید ہلاک تھا

برگشتہ ہوں میں کارِ شکست و شگفت سے
وہ میں نہ تھا نہ میرا گریز و تپاک تھا

موجِ نیامدہ نے مجھے دام زد کیا
طوفاں تو مجھ کو آئنۂ انہماک تھا

جستِ فنا کو بازیِ آموختہ کیے
لایا ہوں اسپِ عمر بَرافروختہ کیے

چوبِ خنک نہیں ہوں مگر عکسِ تیغِ تیز
چاہے ہے مجھ کو شعلۂ افروختہ کیے

سیلِ تنک مزاج کی روکے ہوے ہوں راہ
ابرِ خراب و خستہ کو اندوختہ کیے

لائی مجھے اسیر کمندِ درشت میں
اِک بنتِ گل قبائے سبک دوختہ کیے

میزانِ شاخِ گل پہ اسے اعتبار تھا
میں نے تمام رنگ بَرافروختہ کیے

آئینِ انتقام سے آئینہ خانہ تھا
میں تیغ بے نیام سے آئینہ خانہ تھا

کیا کیا نہ میری شہرتِ خوں ریز تھی کہ میں
اُس نازکش کے نام سے آئینہ خانہ تھا

آتش کدہ تھا اشکِ ندامت فروش سے
چشمِ گریزفام سے آئینہ خانہ تھا

اِس دل کو پوچھتے ہیں گدا زادگانِ شہر
یہ کاسہ کس مقام سے آئینہ خانہ تھا

تسلیمِ موج پر تھا فنا خانۂ حباب
تقدیرِ خشتِ خام سے آئینہ خانہ تھا

بے رنگِ گل لکھی نہ تھی تمہیدِ گلستاں
آئینۂ تمام سے آئینہ خانہ تھا

اک شمعِ سردِ شامِ شماتت تھی اور میں
اُفتاد و اِتہام سے آئینہ خانہ تھا

پُرسشِ خنجرِ سفاک سے آمادہ کیا
خود سے وحشی کو بھی فتراک سے آمادہ کیا

جب مقابل وہ سرشتِ شرر ایجاد آئی
التماسِ خس و خاشاک سے آمادہ کیا

شعلۂ جاں میں عجب شورشِ بالیدہ تھی
خاک نے کیسے نمِ خاک سے آمادہ کیا

"اک خشت اگر کنگرۂ ایوان پہ رکھنا
انگشتِ وزیر اور سرِ سلطان پہ رکھنا"

بس جوہر و شمشیر کی یکجائی سے بڑھ کر
کیا اور گماں اس سر و سامان پہ رکھنا

سیلابِ رم آشوب کو مہمیز کروں گا
دیوار و در و بام کو ایمان پہ رکھنا

اِک پھول کو اِس شاخِ تمنا سے اٹھا کر
نے طاق، نہ محراب، نہ میزان پہ رکھنا

اک خانۂ زنجیر کو ویران نہ کرنا
تعمیر بہت عالمِ امکان پہ رکھنا

کچھ سیرِ سرِ کوچہ و بازار نہیں عشق
آئینۂ دل آتشِ حیران پہ رکھنا

کوزے کو چاک، رنگ کو تصویر چاہیے
ہر مملکت کو صاحبِ تسخیر چاہیے

اک عکس چاہیے ہے سرِ شیشۂ شکست
وہ عکس بے ارادہ و تدبیر چاہیے

اک شام تیرے ساحلِ بے اختیار پر
اک مرگِ بے نوشتۂ تقدیر چاہیے

پرواز کو بہم نہ ہوے ہفت آسماں
اُفتادگی کو خاکِ ہمہ گیر چاہیے

وحشت سرائے ثابت و سیارہ کے عوض
اقلیمِ خواب و ملکِ اساطیر چاہیے

کھینچا بہت ہے شورشِ دیوانگی نے سر
اِس سرکشی کو پردۂ شمشیر چاہیے

گرا تو گر کے سرِ خاکِ ابتذال آیا
میں تیغ تیز تھا لیکن مجھے زوال آیا

عجب ہوا کہ ستارہ شناس سے مل کر
شکستِ انجمِ نوخیز کا خیال آیا

میں خاکِ سرد پہ سویا تو میرے پہلو میں
پھر ایک خوابِ شکست آئنہ مثال آیا

کمانِ شاخ سے گل کس ہدف کو جاتے ہیں
نشیبِ خاک میں جا کر مجھے خیال آیا

کوئی نہیں تھا مگر ساحلِ تمنا پر
ہوائے شام میں جب رنگِ اندمال آیا

یہی ہے وصل دلِ کم معاملہ کے لیے
کہ آئنے میں وہ خورشیدِ خدّوخال آیا

حشرِ نے آمدہ اس سوختہ جاں پر آیا
میر کا حال نہایت کو یہاں پر آیا

ناوکِ ناز نہ موقوف کیا اُس نے، اور
میں اُسی فاصلۂ تیر و کماں پر آیا

شہرِ دلدار پہ ایسی شبِ اُفتاد آئی
کوئی مجھ سا درِ دریوزہ گراں پر آیا

کوئی اندوختۂ غم کا پرستار نہ تھا
وہ بھی آیا تو کسی سود و زیاں پر آیا

عمر اک ہجر تھی، میں نے اُسے ایثار کیا
وہ جو اک روز مری منزلِ جاں پر آیا

خواب نے قید کیا ہے سر و افسر میرا
خاک کے ملک کو رخصت ہوا لشکر میرا

طاقِ تصویر میں جب شمعِ نمائش آئی
اُس کے شعلے کو جدا کر گیا خنجر میرا

دل کو معزول کیا، چشم کو منسوخ کیا
اور کیا کرتا گل اندام ستم گر میرا

میری تصویر سے رنگ آبِ وحشت ٹپکی
اُس کی آنکھوں میں لہو رہ گیا اکثر میرا

میرے پہلو سے کہیں گاہِ تغافل کو گیا
صبح برخواست جب آئی تو وہ دلبر میرا

میں اُسے قتل کیا اپنی ہی سرجوشی میں
مجھ سے خاموش ہوا جاتا تھا محشر میرا

بانوے شہر سے کہنا کہ ملاقات کرے
ورنہ ہم جنگ کریں گے وہ شروعات کرے

دل و شمشیر اثاثہ ہیں محبت میں مجھے
کوئی ایسا تو نہ نکلا کہ ابھی مات کرے

رات اک خیمۂ غم آتشِ خاموش پہ تھا
کچھ ہوائے خنک آثار عنایات کرے

اُس نے شمشیر پہ لکھا کہ اجل تیری ہے
دل کو لازم ہے کہ اس ناز پہ اثبات کرے

بانوے شہر سے کل شام ملاقات ہوئی
پھر کوئی قتل ہوا، کوئی مکافات ہوئی

میری رفتار سے فرسنگِ عدم آئے گا
یہ ابھی طے تو فقط منزلِ آفات ہوئی

میں نے آئینے میں تمثیلِ اَجل رکھی تھی
آئنہ ٹوٹ گیا اور مجھے مات ہوئی

شمع و شمشیر کو وحشت تھی مری بالیں پر
اور اجل کہتی تھی سوجا کہ بہت رات ہوئی

چراغ کشتہ کیا اور علم نہادہ کیا
شگفتِ گل میں ترا ماتم زیادہ کیا

مرے سپرد یہی کارِ مرگ تھا میرا
سو تیغِ غیر سے اک زخم استفادہ کیا

شریکِ خیمۂ گل کشتگاں خبر رکھنا
کہ میں نے آتشِ گل سوز بے لبادہ کیا

عجیب خانۂ زنجیر سے صدا آئی
اجل نہیں تو کوئی اور اِبتلا آئی

کسی کی تیغ سے اک زخمِ بے مثال ملا
کسی کے عکس سے اک شاخِ آئنہ آئی

کسی کا دل ترے آتش کدے کی لوح ہوا
کسی کو پیش تری عمرِ گمشدہ آئی

بہم تھا خاکِ سبک کو وہ دامنِ خوبی
سو اُس کے بعد ہی اَبر آیا اور ہوا آئی

شگفتِ زرد سفرنامۂ اجل میں نہ تھی
اجل جب آئی تو اُس سے بھی ماسوا آئی

یہ نہرِ آب بھی اُس کی ہے، ملکِ شام اُس کا
جو حشر مجھ پہ بپا ہے وہ اہتمام اُس کا

سپاہِ تازہ بھی اُس کی صفِ نگاہ سے ہے
صفائے سینۂ شمشیر پر ہے نام اُس کا

امانِ خیمۂ رم خوردگاں میں باقی ہے
کہ ناتمام ہے اک شوقِ قتلِ عام اُس کا

کتابِ عمر سے سب حرف اُڑ گئے میرے
کہ مجھ اسیر کو ہونا ہے ہم کلام اُس کا

دلِ شکستہ کو لانا ہے روبرو اُس کے
جو مجھ سے نرم ہوا کوئی بندِ دام اُس کا

میں اُس کے ہاتھ سے کس زخم میں کمی رکھوں
شروعِ ناز بھی اس کا ہے، اختتام اُس کا

بہارِ گل کا مجھے نشّۂ شدید ہوا
عجیب رنگ مری تیغ سے کشید ہوا

میں اپنے خانۂ حیرت میں لے گیا اُس کو
وہ عکس جو کفِ آئینہ سے بعید ہوا

مزاج دانِ اجل شامِ نوشگفت نہ تھی
کہ میں سفیرِ خزاں جان کر شہید ہوا

کچھ اپنی قدر تو کر اے کنیزکِ بدمست
کہ مجھ سا صاحبِ عالم بھی زرخرید ہوا

خدائے ناز کے ادراک سے زیادہ تھا
میں چشمِ خود میں کفِ خاک سے زیادہ تھا

مجھے تو رشتۂ یک مرگ و تیغ تھا اُس سے
جو اِن روابطِ فتراک سے زیادہ تھا

مجھے تو منزلِ لوح و لحد بلاتی تھی
میں کھیلتا دلِ سفاک سے زیادہ تھا

اُسے تلاش بھی ہوتی تو میں نہیں ملتا
کہ میں نہیں بھی تہہِ خاک سے زیادہ تھا

اُسے ستارہ و طاؤس میں بدل دیتا
مگر وہ خواب بھی چالاک سے زیادہ تھا

خمارِ گل میں جو دیکھا تو میں بدن اُس کا
گنہ سے تیز تھا بے باک سے زیادہ تھا

ستم کی تیغ پہ یہ دستِ بے نیام رکھا
گلِ شکست سرِ شاخِ انتقام رکھا

میں دل کو اُس کی تغافل سرا سے لے آیا
اور اپنے خانۂ وحشت میں زیرِ دام رکھا

نگارخانۂ تسلیم کیا بیاباں تھا
جہاں پہ سیلِ خرابی کو میں نے تھام رکھا

مژہ پہ خشک کیے اشکِ نامراد اُس نے
پھر آئنے میں مرا عکسِ لالہ فام رکھا

اُسی فسانۂ وحشت میں آخرِ شب کو
میں تیغ تیز رکھی، اُس نے نیم جام رکھا

یہ نوجوان جو اِس خیمۂ سیاہ میں ہے
بہت دنوں سے کسی کارِ اشتباہ میں ہے

وہ خاکنائے فنا آگئی جو منزل ہے
سوال ختم ہوا کون کس کی راہ میں ہے

پھر آج رات بہت جاں بہ لب ہے میرِ سپہ
مگر یہ راز ابھی لشکر و سپاہ میں ہے

سو میں نے عشق کیا آتش زیادہ سے
جو میری خاک میں ہے تیری رسم و راہ میں ہے

خدا کا روزِ قیامت گزر چکا لیکن
چراغ سرد ابھی تک مری پناہ میں ہے

کیا خود کو خاکِ تیز کے مانند کر دیا
اس سیلِ رم فروش سے پیوند کر دیا

میں اور اسپِ عمر بہ صحرائے شش جہات
اِتمامِ قصۂ زن و فرزند کر دیا

ملکِ سفال و چاک اور اقلیمِ نان و آب
آزاد کر دیا، کبھی پابند کر دیا

ملحوظ تھا جو آئنہ خانہ شکست تھا
ہر عکسِ خام میں نے نظربند کر دیا

بپا ہے شور عزاخانۂ تغافل میں
کہ ایک کشتۂ چشمِ سیاہ تاب آیا

کہا جو میں نے مجھے آنسوؤں سے صیقل کر
تو اُس کی آنکھ میں اک سیلِ انتساب آیا

میں تیغِ تیز پہ اپنی نثار ہو جاؤں
کہ یہ بلند ہوئی اور انقلاب آیا

اک شخص چاہیے جو مجھے زندہ رکھ سکے
اس طاقِ کج پہ شمع نمائندہ رکھ سکے

آئینہ و گلاب کو کچھ اختیار دے
اور تیغ بے نیام کو کارندہ رکھ سکے

کوے درستگی میں ہے سیلابِ صد شکست
لیکن وہاں بھی کون جو شرمندہ رکھ سکے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ جو دل کو تھام لے
اور اپنے دستِ ناز میں آئندہ رکھ سکے

سب داستانِ خوبیِ گفت و شگفت ہے
گر اعتبار کوئی فریبندہ رکھ سکے

اک شام یہ سفاک و بداندیش جلا دے
شاید کہ مجھے شعلۂ درپیش جلا دے

اِس دل کو کسی دستِ ادا سنج میں رکھنا
ممکن ہے یہ میزانِ کم و بیش جلا دے

کس قحطِ خور و خواب میں میں مول کے لایا
وہ نان کہ جو کاسۂ درویش جلا دے

رخصت کو ہے دریاے دلآرامِ روانی
جو کچھ ہے سفینے کے پس و پیش، جلا دے

شاید کہ کبھی خاکِ کم آمیز بلا لے
اور مجھ کو پسِ لوحِ کم اندیش جلا دے

کوئی نہ حرفِ نوید و خبر کہا اُس نے
وہی فسانۂ آشفتہ تر کہا اُس نے

شراکتِ خس و شعلہ ہے کاروبارِ جنوں
زیاں کدے میں کس انجام پر کہا اُس نے

اُسے بھی نازِ غلط کردۂ تغافل تھا
کہ خواب و خیمہ فروشی کو گھر کہا اُس نے

تمام لوگ جسے آسمان کہتے ہیں
اگر کہا تو اسے بال و پر کہا اُس نے

اُسے عجب تھا غرورِ شگفت رخساری
بہارِ گل کو بہت بے ہنر کہا اُس نے

یہ گل ہیں، اور یہ ستارے ہیں، اور یہ میں ہوں
بس ایک دن مجھے تعلیم کر کہا اُس نے

مری مثال تھی سفاکیِ تمنا میں
سپردگی میں مجھے قتل کر کہا اس نے

میں آفتابِ قیامت تھا سو طلوع ہوا
ہزار مطلعِ ناساز تر کہا اُس نے

تمام خاک ہوا اور پھر نہیں سے بنا
یہ دل سا قصر کہ جو خشتِ نازنیں سے بنا

شبِ تغافلِ چشمِ فسانہ گویاں تو
کوئی چراغ کسی خاکِ دل نشیں سے بنا

بہت لکھی تھی جو تمہیدِ جاں سپر میں نے
جبیں پہ زخم کسی تیغِ نکتہ چیں سے بنا

اُس آئنے میں مرا رقصِ والہانہ تھا
جو آئنہ پرِ طاؤسِ نیلمیں سے بنا

نے مسلکِ غالب نہ غمِ میر سے پہنچا
اک شوخ تلک جادۂ شمشیر سے پہنچا

اِک شامِ نوشتہ کو کسی لوحِ بدن تک
میں دستِ خداوند کی تحریر سے پہنچا

شورش گہِ گیسوے پریشاں میں مرا دل
اک شام عزاخانۂ زنجیر سے پہنچا

جب میں نے دمِ تیغ سے آئینہ بنایا
اک شخص بہم مجھ کو اساطیر سے پہنچا

ہنگامۂ ہستی میں بہت جاگ گیا تھا
سو صبحِ قیامت کو بھی تاخیر سے پہنچا

کتابِ شب سے جو کوئی ورق نکل آیا
اُسی مصورِ سفاک کا عمل آیا

وہی ترانۂ اندام و پیرہن گونجا
وہی مقدّمۂ وصلِ مبتذل آیا

بہ نوکِ تیغ ہے میرا نوشتۂ تقدیر
کہ مجھ سے ممکن و موہوم میں خلل آیا

مری تلاش میں یہ مرگِ بے محابا تھی
سو میں بھی سامنے کیا اِس کے برمحل آیا

میں اُس کے قرب سے فارغ نہ تھا کہ چلنے کو
بلا خرام لیے میرِ اصطبل آیا

میں جانتا ہوں کہ میں آئنے میں کیا دیکھا
کہ آئنے سے حلَب تک لہو نکل آیا

نشاطِ نشۂ وحشت میں یہ غضب کرتا
کہ شہرِ شب کو اسیر اور تجھے طلب کرتا

مجھے بہارِ سنائل میں جان دینی تھی
خطائے زلف سے مرتا تو کیا عجب کرتا

کسی کنیزکِ گستاخ پر غلط بخشی
بقدرِ جان کوئی مجھ سا خوش نسب کرتا

اسیرِ بحرِ تلاطم فروش تھا اپنا
شکست ورنہ میں دریائے روز و شب کرتا

یہ قتلِ عام جو چشمِ سیاہ تاب سے ہے
کہ دل جنوں سے ہے اور آئنہ شباب سے ہے

بہت میں اپنے ستارے کے حال پر رویا
کہ آسمان سلگتا ہے اور وہ خواب سے ہے

کہیں بہا ہے لہو کوچۂ توقف میں
ہُوا جو وجد میں تمہید و انتساب سے ہے

سرابِ عمر سے اک جست میں گزر جاؤں
صلاح رمزشناسانِ خاک و آب سے ہے

بہت عزیز ہے ترتیبِ نیک و بد اس کو
معاملہ جو دلِ خانماں خراب سے ہے

نگہ کو شوخ بنانا، ادا کو خوش کرنا
کبھی مرے دلِ کم آشنا کو خوش کرنا

خراب گشتۂ یک وصلِ بے ہنر ہوں میں
مرے سپرد ہے اِس ناروا کو خوش کرنا

نیامِ ضبط میں شمشیرِ ناز ہے مجھ سے
سو میرے خون سے سیلِ بلا کو خوش کرنا

اچھالنا گلِ نوخواب اُس کی جانب، اور
حصارِ غیر میں اُس خوش ادا کو خوش کرنا

گزر رہا ہوں میں اک مرگِ بے نہایت سے
مجھے نہیں ہے ثبات و فنا کو خوش کرنا

گُلِ شقائق لبنان کے لیے نکلا
میں دستِ خاک سے پیمان کے لیے نکلا

میں اپنے شغل سے اک نانِ خشک کی خاطر
اور ایک بوسۂ آسان کے لیے نکلا

غلط ہوا مری جانب سے تیرِ بے پروا
چراغِ خانۂ ویران کے لیے نکلا

مرے گُلو پہ مری تیغ کی گواہی ہے
میں اُس سے وصل کے اعلان کے لیے نکلا

جب ایک رات کو میں اپنے خواب میں آیا
کسی کے مصر سے کنعان کے لیے نکلا

غزال نامۂ دست و کمند سے باہر
پرستشِ رم و امکان کے لیے نکلا

سوائے دل کسی تقویم میں نہیں اترا
وہ اک ستارہ جو میزان کے لیے نکلا

گراں فروش[illegible]ہا ہیں دل کے کاروبار میں کل
سو ایک بنتِ زیاں کا ہے شدّ و مد مجھ پر

سفینۂ تنِ نازک کی عافیت مت جان
بپا ہے آج قیامت کا جزر و مد مجھ پر

بہارِ گل میں جو چوما نہیں میں لب اُس کے
صحیفۂ گلِ رنگیں ہے بے سند مجھ پر

کہیں لکھا ہو مرے ہاتھ سے نہ خوں اُس کا
بہت دمکتا ہے رخسارِ لالہ گوں اُس کا

اُسے کہو کہ بہت نامراد شے ہے جنوں
اُسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اُس کا

بہت شہید ہے یہ چشم بے وصال اُس سے
بہت اسیر ہے یہ قلبِ بے سکوں اُس کا

کسی کی خاک سے اپنی سرشت کیا کرتا
خدائے غیر کا عیشِ بہشت کیا کرتا

میں آئنہ تھا سو خود اپنے دل میں ٹوٹ گیا
کسی کا فیصلۂ خوب و زِشت کیا کرتا

مرے خدا نے جو خود رفتگی میں لکھی تھی
پھر ایک بار وہی سرنوشت کیا کرتا

میں جانتا ہوں کہ جو دل نے میرے ساتھ کیا
کسی کے ساتھ کوئی بدسرشت کیا کرتا

ہزار جان سے اُس پر نثار تھا لیکن
وہ گل بہ دست مجھے سر بہ خشت کیا کرتا

اگر میں شرح کیے جاؤں تو یہ حق میرا
کہ اس کا دل بھی ہے اک مصرعِ ادق میرا

ہزار مرتبہ تیغِ مژہ کو چومتا ہوں
لکھا گیا ہے اُسے خونِ مستحق میرا

میں اُس کے دل میں اِک آتش کدہ بنا آیا
وہ منتظر تھا سرِ شامِ بے شفق میرا

نواحِ شہرِ ستم کشتگاں میں ہے قائم
وہ ایک مدرسۂ شوقِ خوش سبق میرا

کوئی مصورِ بدمست کل یہ کہتا تھا
کتابِ گل پہ قیامت ہے سرورق میرا

بہت دنوں میں سمجھ مجھ کو حالِ غیر آیا
کہ میری عمر میں پھر ماہ و سالِ غیر آیا

پسِ سرابِ تمنا ترے بدن سے مجھے
عجیب نشۂ خوفِ زوالِ غیر آیا

گزشتہ شب کسی درویش نے کہا مجھ سے
ترے علَم پہ وہ نجم و ہلالِ غیر آیا

شمار چاہیے میں تجھ نے سادہ دل کے حضور
کب اپنے آپ میں اور کب مثالِ غیر آیا

میں بجھ گیا سرِ ہنگامِ خلوت آرائی
کہ تیرے لب پہ نہ عذرِ وصالِ غیر آیا

رُکا ہوا تھا کہیں عہدِ برشگال مرا
کہ تیری آنکھ میں اشکِ ملالِ غیر آیا

میں خوش ہوا دلِ وحشی کو دیکھ کر تیرے
کہ میری زد میں یہ صیدِ محالِ غیر آیا

میں کیا کروں مری تاراج کے مقدر میں
ہزار مرتبہ باغِ نہالِ غیر آیا

عجیب قصۂ دل ہے مرا سبق آموز
جگہ جگہ پہ عروج و زوالِ غیر آیا

اے بخت کہ اُس جانِ تغافل نے پئے فال
افسانۂ مجنوں سے کوئی باب اُٹھایا

کس گنجِ شہیداں سے ہے وہ خاک کہ ہم کو
جاں دینے میں شائستۂ آداب اُٹھایا

اک خشتِ دلِ زار فراموش ہوئی ہے
مزدورِ طرب گاہ جو محراب اُٹھایا

یہ کہہ کے روز وہ شاخِ حنا جلاتا ہے
کہ اِس چراغ کو آتش زدہ جلاتا ہے

عجیب آتشِ امکان ہے بدن اُس کا
مجھے خراب، اُسے خوش نما جلاتا ہے

تمام حفظ ہے آئینِ دلبری اُس کو
چراغ دیکھتا ہے، آئنہ جلاتا ہے

بہارِ شعلۂ گل سے مرے تعارف میں
کہا، یہ وہ ہے جو آتش کدہ جلاتا ہے

قبائے ناز وہ بے باک کھول دیتا ہے
دلِ اسیر پہ افلاک کھول دیتا ہے

خراجِ گریۂ عشاق چاہیے اُس کو
درِ خزینہ و اِملاک کھول دیتا ہے

گئی نہیں کوئی سفاکیِ نگہ اس کی
بہارِ گل میں رگِ تاک کھول دیتا ہے

جو کوئی نکتۂ ژولیدہ دل ملے تو اُسے
ورائے معنی و ادراک کھول دیتا ہے

درِ قفس، پرِ پرواز، کھولنے کے بعد
فریبِ وسعتِ افلاک کھول دیتا ہے

وہ سیم بر تپشِ ارتباط سے خوش تھا
بہت مرے دلِ بے احتیاط سے خوش تھا

شکست و فتح اُسے بخش دی کہ میں اُس دم
طلسم کاریِ رنگِ بساط سے خوش تھا

اس ایک مملکتِ خواب و اشک میں کچھ دن
کسی کی چشمِ وفا انحطاط سے خوش تھا

سپردِ تیغ مرے خوش بدن نے مجھ کو کیا
کہ میں فقط اسی حسنِ صراط سے خوش تھا

وہ شامِ مرگ تھی اور لوحِ نامرادی پر
میں اک ستارۂ کم انبساط سے خوش تھا

اک دن جو ترے گلشنِ نوروز میں آیا
میں خدمتِ رخسارِ دل افروز میں آیا

میں بوسہ زدِ آتشِ صد لالہ و گل تھا
تجھ تک طلبِ آتشِ خودسوز میں آیا

شیرازۂ کاکل میں بہت دل کو لٹایا
جب مدرسۂ عشقِ خوش آموز میں آیا

میں خواب میں دیکھا کہ بہ خاک مرا دل
تجھ پاؤں تلے ساعتِ فیروز میں آیا

اب لطف مجھے ماتمِ رفتہ سے زیادہ
بربادیِ آئندہ و امروز میں آیا

فزوں پذیر رہے حسنِ شادکام اُس کا
کہ ملکِ دل ہے مرا اور انتظام اُس کا

مگر زمانۂ بدبیں کو کیا شکایت ہے
جو چومتا ہوں میں رخسارِ نیک نام اُس کا

نکل گیا تھا میں شب خونِ زلف سے بچ کر
سو لے لیا صفِ مژگاں نے انتقام اُس کا

خوابِ خوش دیکھا ہوں میں رات کہ وہ آئنہ رُو
میرے پہلو میں رہِ سنگ و سزا سے آیا

میں سیہ پوش جو آیا ہوں تری محفل میں
خیمۂ غم سے کہ زندانِ فنا سے آیا

ہم کلامی ہے بہت حلقۂ زنجیر کے ساتھ
لطفِ گفتار اسی تلخ نوا سے آیا

ہر نظم شاعری کے مفاد میں تاریخ اور شاعری کو ہم آہنگ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ موجودہ معاشرے سے اپنی نسبت کی دریافت اور اپنے عہد کی رو میں شریک ہونے کے باوصف، شاعر ہمیشہ تاریخ کی سفاکی سے بچ نکلنا چاہتا ہے۔ تمام عظیم شعری تجربے، جادو کے منتر، رزمیہ شاعری اور غیر ارادی تحریریں، نظم کے نقطۂ اتصال ہونے کی مدعی ہیں، جہاں تاریخ اور شاعری، حقیقت اور دیومالا، بول چال کی زبان اور لفظی شبیہیں ایک دوسرے میں ضم ہو جاتی ہیں۔ اس نقطۂ اتصال میں ایک تاریخ ہے جو کبھی دہرائی نہیں جا سکتی؛ ایک جشن ہے، اور باطنی زرخیزی سے معمور ایک زندہ تاریخ جو ہر نئے عہد کا آغاز کرنے لوٹ آتی ہے۔ نظم کی نوعیت ایک تہوار کی سی ہے جو تقویم کا ایک دن ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کے تسلسل میں ایک انقطاع اور اس لمحۂ موجود کی رونمائی ہے جو گذشتہ اور آئندہ کے بغیر عہد در عہد واپس آتا رہتا ہے۔ ہر نظم غیر آلودہ وقت کا جوہر ہے۔

—— اوکتاویو پاز

''چھینی ہوئی تاریخ'' کے فلیپ سے

نظم تغیر سے آشنا ہوئے بغیر ایک طویل مدت تک شاعر کا انتظار کرتی ہے۔ پے بہ پے تغیرات کی دنیا میں یہ ٹھہراؤ محض التباس نہیں۔ ہر صورت حال اپنی مابعد الطبیعیاتی ژولیدگیوں کے باوجود انسانی امکان کے طور پر ایک طویل عرصے سے موجود ہے۔ شاعر کے لیے تاریخ کا عمل اور اپنی ذاتی صورت حال مماثل ہیں۔ تاریخ ایجاد نہیں، نئے تناظر میں انسان کے موجود اور ممکن کی دریافت اور انکشاف ہے۔ شاعر ہر نظم کو اس انسانی امکان کے طور پر دریافت کرتا ہے جسے تاریخ اپنے عمل میں ایک دن تلاش کر لے گی۔

—— میلان کنڈیرا

''چھینی ہوئی تاریخ'' کے فلیپ سے

افضال احمد سید ۱۹۴۶ء میں غازی پور، اتر پردیش، میں پیدا ہوے۔ انھوں نے ڈھاکہ میں تعلیم مکمل کی اور وفاقی وزارت زراعت میں اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز بھی وہیں سے کیا۔ وہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد کراچی منتقل ہوے جو اب ان کا وطن ہے۔ افضال احمد سید نے شاعری ۱۹۷۶ء میں شروع کی اور اپنی نثری نظموں اور غزلوں کی بدولت اردو کی جدید شاعری میں اپنا منفرد مقام حاصل کیا۔ ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ''چھینی ہوئی تاریخ'' ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا، دوسرا ''دو زبانوں میں سزاے موت'' ۱۹۹۰ء میں اور تیسرا ''روکوکو اور دوسری دنیائیں'' ۱۹۹۹ء میں۔ غزلوں کا مجموعہ ''خیمۂ سیاہ'' ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔ موجودہ جلد میں یہ چاروں مجموعے یکجا کر دیے گئے ہیں۔ وہ مختلف زبانوں کی شاعری، فکشن اور ڈرامے کا ترجمہ بھی کرتے رہے ہیں۔

Cover painting: *Liberty in Triplicate*
by Walter A. Hackmann
Author's portrait by Akhtar Soomro

ISBN 978-969-8379-91-9
Rs.500